بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
کی مشہور

تفسیر بیان القرآن

کی تسہیل اور اختصار بنام

تفسیر فہم قرآن

(پارہ ۳)

تالیف
ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم بی بی ایس)
مفتی جامعہ مدنیہ لاہور

مجلس نشریات قرآن
ا۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ا
کراچی 74600

ربط: آگے جہاد کی وجہ بتاتے ہیں کہ سب رسول ہمارے بھیجے ہوئے تھے لہٰذا سب کو ماننا چاہیئے تھا اوراس بارے میں اختلاف اورلڑائی کی کوئی وجہ نہیں تھی لیکن لوگوں نے اللہ کے رسولوں کو ماننے میں اختلاف کیا اوراس کولڑائی کی بنیاد بنالیا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۙ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

ترجمہ: یہ سب رسول فضیلت دی ہے ہم نے ان کے بعض کوبعض پر۔بعض ان میں وہ ہیں کہ جن سے کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کیا ان میں سے بعضوں کو درجوں میں اور دیئے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلے کھلے معجزے اور تائید کی ہم نے اسکی روح القدس (یعنی جبرئیل) سے۔ اور اگر چاہتا اللہ تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ہوئے ان پیغمبروں کے بعد اس کے بعد کہ پہنچ چکے ان کے پاس صاف دلائل لیکن وہ اختلاف میں پڑ گئے، پھر کوئی تو ان میں ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا۔اوراگر چاہتا اللہ تو نہ باہم لڑتے، وہ لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

تفسیر: کہ (یہ حضرات مرسلین) (ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پرفوقیت بخشی ہے) مثلاً (بعضے ان میں وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ) فرشتہ کے واسطہ کے بغیر (ہم کلام ہوئے ہیں) مراد ہیں موسیٰ علیہ السلام (اوران میں سے بعضوں کو بہت سے درجوں میں) اعلی مقام سے (سرفراز کیا اور ہم نے) حضرت (عیسےٰ بن مریم) علیہ السلام (کو کھلے کھلے دلائل) یعنی معجزات (عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس) یعنی جبرئیل علیہ السلام (سے فرمائی) جو ہر وقت یہود سے ان کی حفاظت کرنے کے لئے ساتھ رہتے تھے غرض یہ سب رسول ہمارے بھیجے ہوئے تھے اورسب ہی کو ماننا ضروری ہے لیکن لوگ ان کے بارے میں اختلاف میں پڑ گئے۔ یہودی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور عیسائیوں نے حضرت محمد ﷺ کا انکار اور مشرکین عرب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سمیت ان دونوں کا

انکار کیا۔ پھر یہی اختلاف آپس کی لڑائیوں کی وجہ بن گیا۔ (اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو) اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے مجبور کر دیتے کہ امت کے (جو لوگ ان) پیغمبروں (کے بعد ہوئے ہیں) کبھی دین میں اختلاف کر کے (باہم قتل وقتال نہ کرتے اس کے بعد کہ ان کے پاس) امر حق کے (دلائل) پیغمبروں کی معرفت (پہنچ چکے تھے) جن کا تقاضا خود یہ تھا کہ دین حق کے قبول پر متفق رہتے (ولیکن) چونکہ اللہ تعالیٰ کو بعض حکمتیں منظور تھیں، اس لئے اس عالم کو آزمائش کا مقام ہی رکھا اور ان میں زبردستی مذہبی اتفاق نہیں پیدا کیا اور (وہ لوگ باہم) دین میں (مختلف ہوئے، سوان میں کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا) پھر اس اختلاف میں قتل وقتال تک بھی نوبت پہنچ گئی (اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل و قتال نہ کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ) اپنی حکمت سے (جو چاہتے ہیں) اپنی قدرت سے (وہی کرتے ہیں۔)

حکم 39: انفاق فی سبیل اللہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

ترجمہ: اے ایمان والو خرچ کرو اس میں سے جو دی روزی ہم نے تم کو اس سے پہلے کہ آئے وہ دن نہیں ہے خرید وفروخت جس میں اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور جو کافر ہیں وہی ہیں ظالم۔

تفسیر: (اے ایمان والو خرچ کر لو ان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے) یعنی قیامت کا دن (جس میں) کوئی چیز اعمال خیر کا بدل نہ ہو سکے گی، کیونکہ اس میں (نہ تو خرید وفروخت ہوگی) کہ کوئی چیز دے کر اعمال خیر خرید لو (اور نہ) ایسی (دوستی ہوگی) کہ کوئی تم کو اپنے اعمال خیر دیدے (اور نہ) بلا اذن الٰہی کسی کی (کوئی سفارش ہوگی) جس سے اعمال خیر کی تم کو حاجت نہ رہے (اور کافر لوگ ہی ظلم کرتے ہیں) کہ بدنی طاقت اور مال کو بے موقع استعمال کرتے ہیں، اس طرح سے کہ بدنی و مالی طاعت کو ترک کرتے ہیں اور مالی و بدنی معصیت کو اختیار کرتے ہیں۔ تم تو ایسے نہ بنو۔

ربط: آگے بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد وانفاق سے متعلق یا اور جو حکم دیے ہیں سمجھ لو کہ ان سے اللہ کی کوئی غرض اٹکی ہوئی نہیں ہے وہ تو بڑی شان والا ہے۔ تمہاری ہی حاجتیں اس کے ساتھ اٹکی ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ احکام بھی تمہاری ہی مصلحت سے دیئے ہیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ

مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ

عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَ

لَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

ترجمہ: اللہ نہیں کوئی لائق عبادت سوائے اس کے، زندہ ہے سنبھالنے والا ہے نہیں پکڑ سکتی اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ کون ہے وہ جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت سے۔ جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے۔ سما لیا ہے اس کی کرسی نے تمام آسمانوں اور زمین کو اور گراں نہیں کرتی اس کو حفاظت ان دونوں کی اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے کہ (اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، زندہ ہے) جس کو کبھی موت نہیں آسکتی اور اپنی توجہ اور قدرت سے تمام عالم کا (سنبھالنے والا ہے ایسے جیسے کوئی شخص اپنی کامل توجہ اور قوت خیالیہ سے اپنے ذہن میں ایک عمارت کا نقشہ بنانا پھر توجہ اور قوت خیالیہ سے اس کو قائم رکھتا ہے۔ ذرا سی توجہ کے ہٹنے سے وہ خیالی نقشہ جاتا رہتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کامل صفات والا ہے اس کی توجہ بھی کامل اور بغیر خلل کے ہوتی ہے کیونکہ نہ اس کو اونگھ پکڑ سکتی ہے اور نہ نیند) پکڑ سکتی ہے۔ (اسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ) بھی (آسمانوں میں) موجودات (ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں۔ ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس) کسی کی (سفارش کر سکے اس کی اجازت کے بغیر۔ وہ جانتا ہے ان) تمام موجودات (کے تمام حاضر و غائب حالات کو اور وہ موجودات اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لا سکتے مگر جس قدر) علم دینا وہی (چاہے۔ اس کی کرسی) اتنی بڑی ہے کہ اس (نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں) آسمان و زمین (کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی وہ عالی شان عظیم الشان ہے)

www.askfatwa.com

فائدہ: 1- قیامت میں انبیاء اولیاء گناہگاروں کی شفاعت کریں گے لیکن حق تعالیٰ کی اجازت کے بعد۔

2- کرسی ایک جسمانی شے ہے جو عرش الٰہی سے چھوٹی اور آسمانوں سے بڑی ہے۔ ایک حدیث میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ سے کرسی کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا اے ابوذر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے ایک حلقہ یعنی چھلا ایک میدان میں پڑا ہو اور عرش اس کرسی سے اتنا بڑا ہے جیسے وہ میدان اس چھلے سے بڑا ہے۔

ربط: پیچھے یہ بتانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام انسانوں ہی کی مصلحت سے دیئے آئے بتاتے ہیں کہ اب تمہیں اختیار ہے چاہے احکام خداوندی کو قبول کرو یا نہ کرو۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۗ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾

ترجمہ: نہیں ہے زبردستی دین (کے معاملہ) میں۔ بے شک جدا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔ اب جو کوئی انکار کرے شیطان کا اور یقین لائے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط۔ نہیں ہے ٹوٹنا اس کے لیے اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر: (دین) اسلام کے قبول کرنے (میں زبردستی) کا بذات خود کوئی موقع (نہیں) کیونکہ (ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے) یعنی اسلام کا حق ہونا قطعی دلائل سے واضح ہو چکا ہے، تو اس میں اکراہ کا موقع ہی کیا ہے، اکراہ تو اس چیز کے قبول کرنے میں ہوتا ہے جس کی خوبی واضح نہ ہو جبکہ اسلام کی خوبی یقیناً ثابت ہے (تو جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے) یعنی اسلام قبول کرلے (تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں) ظاہری اقوال کے (اور خوب جاننے والے ہیں) باطنی احوال کے۔ سو اگر کوئی صرف زبان سے اسلام لائے گا اور دل میں کفر رکھے گا تو ہم سے چھپ نہیں سکتا۔ ہم آپ ہی اس سے نمٹ لیں گے اس لئے جو اسلام قبول کرے صدق دل سے کرے۔

فائدہ: 1- اسلام کو مضبوط پکڑنے والا چونکہ ہلاکت اور محرومی سے محفوظ رہتا ہے، اس لئے

www.ask

اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دی جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں مضبوط تھام کر گرنے سے مامون رہتا ہے اور جس طرح ایسی رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ نہیں اور یوں کوئی رسی ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے، اسی طرح اسلام میں کسی قسم کی ہلاکت اور خسران نہیں ہے اور خود کوئی اسلام کو ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے۔

2- ایمان کے قبول پر جبر و اکراہ ممکن بھی نہیں اس لئے کہ ایمان کا تعلق قلب کے ساتھ ہے ظاہری اعضاء کے ساتھ نہیں جب کہ جبر و اکراہ کر کے ظاہری اعضاء سے تو اپنی مرضی کروائی جا سکتی ہے دل سے نہیں منوایا جا سکتا۔

3- جہاد و قتال سے لوگوں کو ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا بلکہ اس سے مقصود اسلام کا غالب رہنا ہے خواہ مخالف کے اسلام قبول کر لینے سے یا صرف رعیت اور محکوم و ماتحت بننے سے۔

4- ارتداد پر جو قتل کی سزا ہے وہ دین قبول کرنے میں نہیں ہے بلکہ اپنی خوشی سے دین قبول کرنے کے بعد اس کو چھوڑنے میں ہے۔

ربط: اب بتاتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کرتا ہے اللہ اس کے دوست اور ساتھی بن جاتے ہیں اور جو قبول نہیں کرتا اس کے ساتھی شیطان ہی بنے رہتے ہیں۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ
يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾

ترجمہ: اللہ ساتھی ہے ان کا جو ایمان لائے۔ نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے ساتھی ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف۔ یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، ان کو) کفر کی (تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور) اسلام (کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی) انسانی اور جناتی (شیطان ہیں۔ وہ ان کو نور) اسلام (سے نکال کر یا بچا کر) کفر کی (تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، ایسے لوگ) جو اسلام کے بجائے کفر اختیار کریں (دوزخ میں رہنے والے ہیں) اور (یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے)۔

ربط : اہل ایمان کے نور اور اہل کفر کے ظلمات کا ذکر ہوا۔ آگے اس کی تائید اور نظیر کے طور پر تین قصے بیان فرماتے ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک اور بندہ خدا کو نور ہدایت اور قوت ایمان عطا ہونا اور نمرود کا گمراہی و کفر کی ظلمت میں گرفتار ہونا مذکور ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ
اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ‌ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُۙ
قَالَ اَنَا اُحۡىٖ وَاُمِيۡتُ‌ؕ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ بِالشَّمۡسِ
مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىۡ كَفَرَ‌ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ‌ۚ ﴿۲۵۸﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں (اس وجہ سے) کہ دی تھی اس کو اللہ نے سلطنت، جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ بولا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ کہا ابراہیم نے بے شک اللہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے سو تو لے آ اس کو مغرب سے۔ تب حیران رہ گیا وہ کافر۔ اور اللہ نہیں دکھاتا سیدھی راہ بے انصاف لوگوں کو۔

تفسیر: اے مخاطب (کیا تجھ کو) جس طرح خود دیکھنے سے یقینی تحقیق ہوتی ہے اس طرح یقینی طور سے (اس شخص کا قصہ تحقیق نہیں ہوا) یعنی نمرود کا (جس نے ابراہیم) علیہ السلام (سے مباحثہ کیا تھا ان کے پروردگار کے) وجود کے (بارے میں) کیونکہ نمرود خدا کے وجود ہی کا منکر تھا (اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو سلطنت دی تھی) یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ نعمت سلطنت پر احسان مانتا اور ایمان لاتا، اس کے برعکس انکار اور کفر شروع کر دیا اور یہ مباحثہ اس وقت شروع ہوا تھا (جب ابراہیم علیہ السلام نے) اس کے پوچھنے پر کہ خدا کیسا ہے جواب میں (فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا ہے کہ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے) یعنی زندہ کرنا اور مارنا اس کی صفات خاصہ میں سے ہے۔ وہ کوڑھ مغز جلانے مارنے کا مطلب تو سمجھا نہیں (کہنے لگا کہ) یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں کہ (میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں) چنانچہ جس کو چاہوں قتل کر دوں یہ تو مارنا ہے اور جس کو چاہوں قتل سے معاف کر دوں یہ جلانا ہے۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) جب دیکھا کہ بالکل ہی بھدی عقل کا ہے کہ اس کو جلانا اور مارنا سمجھتا ہے، حالانکہ جلانے کی حقیقت بے جان چیز میں جان ڈال دینا ہے، اسی طرح مارنا یہ ہے کہ اس کی جان اپنے اختیار سے نکالے نہ یہ کہ مثلاً اس کی گردن

الگ کر دے اور جان اس کے اختیار کے بغیر نکل جائے ورنہ یہ اختیار بھی ہونا چاہئے تھا کہ گردن الگ کر دے اور جان نہ نکلنے دے۔ اور قرائن سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جلانے اور مارنے کی حقیقت نہیں سمجھے گا، (اس لئے) دوسرے جواب کی طرف متوجہ ہوئے اور (فرمایا کہ) اچھا (اللہ تعالیٰ آفتاب کو) روزانہ (مشرق سے نکالتا ہے تو) ایک ہی دن (مغرب سے نکال) کر دکھا (اس پر متحیر رہ گیا وہ کافر) اور کچھ جو اب نہ بن آیا۔ اس کا تقاضا تھا کہ وہ ہدایت کو قبول کرتا، مگر اپنی گمراہی پر جما رہا اس لئے ہدایت نہ ہوئی (اور اللہ تعالیٰ) کی عادت ہے کہ (ایسے بے انصافوں کو) جو گمراہی کو اختیار کرتے ہیں (ہدایت نہیں فرماتے، بلکہ عادت یہ ہے کہ پہلے کوئی حق کو قبول کرنے کا ارادہ کرے پھر اللہ تعالیٰ ہدایت کو پیدا فرماتے ہیں کیونکہ اختیاری افعال میں جو ارادہ نہ کرے اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا نہیں کرتے۔

فائدہ : 1 اگر کہا جائے کہ ارادہ بھی تو اللہ کے پیدا کرنے پر موقوف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر اور قدرت الٰہی کی حقیقت تو اپنی جگہ لیکن ہر انسان اپنے آپ کو ارادہ کرنے میں بلا کسی جبر کے با اختیار سمجھتا ہے۔ اتنی واضح وجدانی حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا اور انسان کے ساتھ معاملہ اسی وجدانی حقیقت پر ہوتا ہے۔

2- بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ اس کو یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ اگر خدا موجود ہے تو وہی مغرب سے نکالے، اس شبہ کا دفع اس طرح سے ہے کہ اس کے قلب میں بلا اختیار یہ بات پڑ گئی ہو گی کہ خدا ضرور ہے اور یہ مشرق سے نکالنا اسی کا فعل ہے، اور وہ مغرب سے بھی نکال سکتا ہے، اور یہ شخص پیغمبر ہے، اس کے کہنے سے ضرور ایسا ہو گا اور ایسا ہونے سے کہیں اور لینے کے دینے نہ پڑ جائیں، مثلاً لوگ اس معجزے کو دیکھ کر مجھ سے منحرف ہو کر ان کے طریقے کو اختیار کر لیں اور ذرا سی حجت میں سلطنت جاتی رہے، یہ جواب تو اس لئے نہ دیا اور دوسرا کوئی جواب تھا نہیں، اس لئے حیران رہ گیا۔

دوسرا قصہ

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ

وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ

مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ

فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ ۫

وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

ترجمہ: یا (کیا نہ دیکھا تو نے) اس شخص کی مانند کہ گذرا وہ ایک بستی پر اس حال میں کہ وہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں پر۔ بولا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ اس کی موت کے بعد۔ پھر مردہ رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس۔ پھر اٹھایا اس کو۔ کہا کتنی دیر تو (اس حالت میں) رہا، بولا میں رہا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ کہا (نہیں) بلکہ تو رہا سو برس۔ اب دیکھ اپنے کھانے اور اپنے مشروب کی طرف کہ نہیں سڑا، اور دیکھ اپنے گدھے کی طرف کو اور (ہم نے تیرے ساتھ جو کیا وہ اس لئے) تاکہ ہم بنائیں تجھ کو نمونہ لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر پہناتے ہیں ان کو گوشت، پھر جب ظاہر ہوا اس پر (یہ حال) تو کہہ اٹھا کہ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (کیا تم کو اس طرح کا قصہ بھی معلوم ہے، کہ ایک شخص تھا کہ) چلتے چلتے (ایک بستی پر ایسی حالت میں اس کا گذر ہوا کہ اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے تھے) یعنی پہلے چھتیں گریں پھر ان پر دیواریں گر گئیں، مراد یہ ہے کہ کسی حادثہ سے وہ بستی ویران ہو گئی تھی، اور سب آدمی مر مرا گئے تھے، وہ شخص یہ حالت دیکھ کر حیرت سے (کہنے لگا کہ) معلوم نہیں (اللہ تعالیٰ اس بستی کو) یعنی اس کے مردوں کو (اس کے مرے پیچھے کس کیفیت سے) قیامت میں (زندہ کریں گے) یہ تو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں مردوں کو زندہ کر دیں گے، مگر اس وقت کے زندہ کرنے کا جو خیال غالب ہوا تو اس امر کے عجیب ہونے کی وجہ سے ایک حیرت سی دل پر غالب ہو گئی اور چونکہ خدا تعالیٰ ایک کام کو کئی طرح کر سکتے ہیں، اس لئے طبیعت اس کی متلاشی ہوئی کہ خدا جانے زندہ کرنے کی کیا صورت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس کا تماشا اس کو دنیا ہی میں دکھا دیں، تاکہ ایک نظیر کے واقع ہو جانے سے لوگوں کو زیادہ ہدایت ہو (سو) اس لئے (اللہ تعالیٰ نے اس شخص) کی جان قبض کر کے اس (کو سو برس تک مردہ رکھا پھر) سو برس کے بعد (اس کو زندہ کر اٹھایا) اور پھر (پوچھا کہ تو کتنی مدت اس حالت میں رہا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا، یا ایک دن سے بھی کم) یہ کنایہ ہے قلیل مدت سے (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ تو) اس حالت میں (سو برس رہا ہے) اور اگر اپنے بدن کے اندر تغیر نہ ہونے سے تعجب ہو

www.askfatwa.com

(تو اپنے کھانے پینے) کی (چیز کو دیکھ لے کہ) ذرا (نہیں سڑی گلی) ایک قدرت تو ہماری یہ ہے (اور) دوسری قدرت دیکھنے کے واسطے (اپنے) سواری کے (گدھے کی طرف نظر کر) کہ گل سڑ کر کیا حال ہو گیا ہے اور ہم عنقریب اس کو تیرے سامنے زندہ کیئے دیتے ہیں (اور) ہم نے تجھ کو اس لئے مار کر زندہ کیا ہے (تاکہ ہم تجھ کو) اپنی قدرت کا (ایک نمونہ لوگوں کے لئے بنا دیں) کہ اس نمونہ سے بھی قیامت کے روز زندہ ہونے پر استدلال کر سکیں (اور) اب اس گدھے کی (ہڈیوں کی طرف نظر کر کہ ہم ان کو کس طرح (ترکیب دیئے دیتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں) پھر اس میں جان ڈال دیتے ہیں، غرض یہ سب امور یوں ہی کر دیئے گئے (پھر جب یہ سب کیفیت اس شخص کو) مشاہدہ سے (واضح ہوگئی تو) بے اختیار جوش میں آکر (کہہ اٹھا کہ میں) دل سے (یقین رکھتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں)

فائدہ: حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ شخص حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔

تیسرا قصہ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىْ كَيْفَ تُحْىِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع

ترجمہ: اور (یاد کر) جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب دکھا دے مجھ کو کیسے زندہ کرے گا تو مردوں کو، فرمایا کیا نہیں تم یقین رکھتے۔ کہا کیوں نہیں لیکن (یہ درخواست ہے) اس واسطے کہ مطمئن ہو جائے میرا دل۔ فرمایا تو پکڑ لے چار پرندے پھر ہلا لے ان کو اپنے ساتھ، پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک حصہ پھر بلا ان کو، چلے آئیں گے تیرے پاس اڑتے ہوئے اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: (اور اس وقت) کے واقعہ (کو یاد کرو جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے) حق تعالیٰ سے

(عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو) یہ (دکھا دیجئے کہ آپ مردوں کو) قیامت میں مثلاً (کس کیفیت سے زندہ کریں گے) یعنی زندہ کرنے کا تو یقین ہے، لیکن زندہ کرنے کی مختلف صورتیں اور کیفیتیں ہوسکتی ہیں وہ معلوم نہیں، اس لئے وہ معلوم کرنے کو دل چاہتا ہے، اس سوال سے کسی کم سمجھ آدمی کو اس کا شبہ ہوسکتا تھا کہ معاذ اللہ ابراہیم علیہ السلام کو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان و یقین نہیں، اس لئے حق تعالیٰ نے خود یہ سوال قائم کر کے بات کھول دی، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام سے اس درخواست کے جواب میں اول (ارشاد فرمایا کہ کیا تم) اس پر (یقین نہیں رکھتے، انہوں نے) جواب میں (عرض کیا کہ یقین کیوں نہ رکھوں، لیکن) اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ (میرے قلب کو) زندہ کرنے کی معین صورت کے مشاہدہ کرنے سے (سکون ہو جائے) اور ذہن دوسرے احتمالات سے چکر میں نہ پڑے (ارشاد ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو پھر ان کو) پال کر (اپنے ساتھ ہلا لو) تاکہ ان کی خوب شناخت ہو جائے (پھر) سب کو ذبح کر کے اور ہڈیوں پروں سمیت ان کا قیمہ سا کر کے اس کے کئی حصے کرو اور کئی پہاڑ اپنی مرضی سے انتخاب کر کے (ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو) اور (پھر ان سب کو بلاؤ) دیکھو (تمہارے پاس) زندہ ہو کر تیزی سے اڑتے چلے آئیں گے۔ قیامت کے دن بھی اسی طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حکم دیں گے کہ زندہ ہو جاؤ تو ریڑھ کی نچلی ہڈی کا خلیہ بڑھ کر زندہ انسان بن جائے گا۔ اور خوب یقین رکھو اس بات کا کہ حق تعالیٰ زبردست) قدرت والے (ہیں) سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ کام کرتے ہیں جن کا تقاضا ان کی حکمت کرتی ہے کیونکہ وہ بڑے (حکمت والے) بھی (ہیں) انفاق کے حکم کے بعد بتایا تھا کہ یہ اور دیگر احکام محض انسانوں کی مصلحت سے ہیں اور جو ان کو قبول کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے دوست اور ساتھی ہوتے ہیں اور جو قبول نہیں کرتے شیطان ان کے ساتھی بنتے ہیں۔ اور ان دو قسم کے لوگوں کی مثالیں بیان کیں۔ آگے پھر انفاق فی سبیل اللہ کے مضمون کی طرف پلٹتے ہیں اور اس کا ثواب بتاتے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ
حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ
وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

ترجمہ: مثال ان لوگوں (کے خرچ کئے ہوئے مال) کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال راہ خدا میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ جو اگائے سات بالیں ہر بال میں ہوں سو دانے۔ اور اللہ

www.askfatwa.com

بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ بڑی وسعت والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر: (جو لوگ اللہ کی راہ میں) یعنی اللہ کی رضا کے لئے امور خیر میں (اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان) کے خرچ کئے ہوئے مال کی (حالت) اللہ کے نزدیک (ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے) فرض کرو (سات بالیں اگیں) اور (ہر بال کے اندر سو دانے ہوں) اسی طرح خدا تعالیٰ ان کے خرچ کئے ہوئے مال کا ثواب سات سو گنا تک بڑھاتا ہے (اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے) اس کے اخلاص اور مشقت کے بقدر عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں) ان کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں وہ سب کو یہ افزونی دے سکتے ہیں مگر ساتھ ہی (جاننے والے) بھی (ہیں) اس لئے اخلاص نیت وغیرہ کو دیکھ کر عطا فرماتے ہیں۔

فائدہ: 1- نیک کام میں خرچ کرنا نیت کے اعتبار سے تین قسم کا ہے ایک نمائش کے ساتھ۔ اس کا کچھ ثواب نہیں جیسا عنقریب آتا ہے۔

دوسرے ادنیٰ درجہ کے اخلاص کے ساتھ۔ اس کا ثواب دس گنا ملتا ہے **من جاء بالحسنة فله عشر امثالها** میں اس ادنیٰ کا ہی بیان ہے۔

تیسرے زیادہ اخلاص یعنی اس کے اوسط یا اعلیٰ درجہ کے ساتھ۔ اس کے لئے اس آیت میں وعدہ ہے دس سے سات سو تک اخلاص کے مختلف درجوں کے مطابق۔ اور اوپر ایک آیت **مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا** میں بیان ہو چکا ہے کہ اس سات سو کے وعدہ کے بعد اور زیادہ کا بھی وعدہ ہو گیا ہے۔

اسی طرح مشقت کی قلت و کثرت سے بھی تفاوت ہو جاتا ہے مثلاً دس ہزار روپے کے مالک کے لئے پانچ سو صدقہ کرنا کم مشقت ہے جب کہ سو روپے کے مالک کے لئے پانچ روپے دینا زیادہ مشقت ہے۔

ربط: انفاق فی الخیر پر ثواب ملنے کی بعض شرائط

(1) اللہ پر صحیح ایمان ہو۔ (2) خالص اللہ کے لئے ہو۔ (3) انفاق کے بعد احسان نہ جتائے اور ایذاء نہ دے۔

اَلَّذِیْنَ
یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا
مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ

www.askfatwa.com

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ
صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

ترجمہ: جولوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال راہ خدا میں، پھرنہیں پیچھے کرتے اس کے جوانہوں نے خرچ کیا احسان کواور نہ ایذاء کو۔ انہی کے لئے ہےان کا ثواب ان کے رب کے یہاں، اور نہ ڈر ہوگا ان پراور نہ وہ غمگین ہوں گے، مناسب بات کہنا اور درگذر کرنا بہتر ہےاس خیرات سے پیچھے آتا ہوجس کے ستانا اوراللہ بے پرواہے نہایت تحمل والا ہے۔

تفسیر: (جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھرخرچ کرنے کے بعد نہ تو) جس کو دیا ہے اس پر زبان سے (احسان جتلاتے ہیں اور نہ) برتاؤ سے اس کو (آزار پہنچاتے ہیں ان لوگوں کو ان) کے عمل (کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس اور) قیامت کے دن نہ (ان پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے) اور ناداری کے وقت جواب میں معقول و(مناسب بات کہہ دینا اور) اگر سائل بدتمیزی سے غصہ دلائے یا اصرار سے تنگ کرے تو اس سے (درگذر کرنا) ہزار درجہ (بہتر ہے ایسی خیرات) دینے (سے جس کے بعد آزار پہنچایا جائے اوراللہ تعالیٰ) خود (غنی ہیں) کسی کے مال کی ان کو حاجت نہیں، جوکوئی خرچ کرتا ہے اپنے واسطے کرتا ہے پھرآزارکس بناء پر پہنچایا جائے اور بڑے (حلیم) بھی (ہیں) کہ بندوں کی نافرمانیوں کو برداشت کرتے ہیں تو تم بھی دوسروں کی تکلیف دہ باتوں کو برداشت کیا کرو۔

ربط: آگے مسلمانوں کو جواللہ پر صحیح ایمان رکھتے ہیں اورعمل بھی خالص اللہ کے لئے کرتے ہیں ہدایت کرتے ہیں کہ وہ قبولیت کی بقیہ شرائط کونظر انداز کر کے اپنے انفاق کو ضائع نہ کریں اوراس کومثال سے سمجھاتے ہیں کہ انفاق کے بعد احسان جتانے سے یا ایذاء دینے سے وہ عمل جاتا رہتا ہےاوراس کا کچھ ثواب باقی نہیں رہتا جیسا کہ منافق کا کوئی عمل باقی نہیں رہتا۔ جب کہ شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے کیا جانے والا انفاق خوب پھل دیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ
مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦٤﴾

ترجمہ: اے ایمان والومت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور نہیں یقین رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف بڑا پتھر کہ اس پر (پڑی) ہے کچھ مٹی پھر برسا اس پر زور کا مینہ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف۔ نہیں قدرت پاتے کچھ ثواب پر اس عمل کے جو انہوں نے کیا اور اللہ نہیں دکھاتا راہ کافروں کو۔

تفسیر: (اے ایمان والوتم احسان جتلا کر یا ایذاء پہنچا کر اپنی خیرات) کے ثواب کے استحقاق (کو برباد مت کرو جس طرح وہ شخص) خود خیرات کو برباد کر دیتا ہے (جو اپنا مال خرچ کرتا ہے) محض (لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر) ایمان کی نفی اس بات کا قرینہ ہے کہ اس شخص سے مراد منافق ہے (سو اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر)۔ فرض کرو (اس پر) جب (کچھ مٹی) آ گئی (ہو) اور اس مٹی میں کچھ گھاس پھونس جم آیا ہو (پھر اس پر زور کی بارش پڑ جائے سو اس کو) جیسا تھا ویسا ہی (بالکل صاف کر دے) اسی طرح اس منافق کے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ ہو گیا جو ظاہر میں ایک نیک عمل معلوم ہوتا ہے۔ جس میں ثواب کی امید ہو سکتی ہے لیکن اس کے نفاق نے اس شخص کو ویسا ہی کورا ثواب سے خالی چھوڑ دیا، چنانچہ قیامت میں (ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی) کیونکہ کمائی سے مراد نیک عمل ہے اور اس کے ہاتھ لگنے سے مراد ثواب کا ملنا ہے اور ثواب ملنے کی شرط ایمان اور اخلاص ہے اور ان لوگوں میں یہ مفقود ہے، کیونکہ ریا کار بھی ہیں اور کافر بھی ہیں (اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو) قیامت کے روز ثواب کے گھر یعنی جنت کا (راستہ نہ بتلائیں گے) کیونکہ کفر کی وجہ سے ان کا کوئی عمل مقبول ہی نہیں ہوتا کہ جس کا ثواب آخرت میں ذخیرہ ہوتا اور وہاں حاضر ہو کر اس کے صلہ میں جنت میں پہنچائے جاتے۔

فائدہ: جب مسلمان کسی دوسرے کے ساتھ بھلائی کرتا ہے مثلاً اس کو صدقہ خیرات دیتا ہے یا کسی اور طریقے سے اس کی مدد کرتا ہے تو وہ ثواب کا مستحق بنتا ہے لیکن ثواب کا ملنا اس پر موقوف ہے کہ وہ ایک تو احسان نہ جتلائے اور دوسرے جس کی مدد کی ہے اس کو ایذاء نہ پہنچائے۔ اگر وہ یہ کام نہیں کرتا

www.askfatwa.com

تب تو اس کو ثواب ملتا ہے اور اگر ان میں سے کوئی کام وہ کرتا ہے تو اس کو ثواب نہیں دیا جاتا اور دوسرے کے ساتھ بھلائی کارِ خیر میں شمار نہیں ہوتی۔

ربط: غیر مقبول صدقات باطلہ کی مثال بیان فرما کر آگے مقبول صدقات کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

ترجمہ: اور مثال ان لوگوں (کے خرچ کیے ہوئے مال) کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشی حاصل کرنے کو اور پختہ کرنے کو اپنے نفس ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر پڑا اس پر زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دو چند۔ اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھوار ہی (کافی ہے،) اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔

تفسیر: (اور ان لوگوں) کے خرچ کیے ہوئے مال (کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے) جو کہ خاص اس عمل سے ہوگی (اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں) کو اس عمل شاق کا خوگر بنا کر ان (میں پختگی پیدا کریں) تاکہ دوسرے اعمال صالحہ سہولت سے ہوا کریں۔ پس ان لوگوں کے خیرات صدقات کی حالت (مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیلے پر ہو کہ) اس جگہ کی ہوا لطیف اور بار آور ہوتی ہے اور (اس پر زور کی بارش پڑی ہو پھر وہ) باغ پھلدار رہا اور بارش کے سبب اور باغوں سے یا اور دفعوں سے (دوگنا) چوگنا (پھل لایا ہو اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار) یعنی خفیف بارش (بھی اس کو کافی ہے) کیونکہ زمین اور اس کا موقع محل اچھا ہے (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں) اس لئے جب وہ زیادہ اخلاص دیکھتے ہیں ثواب بڑھا دیتے ہیں۔

فائدہ: تثبیت کی وضاحت یہ ہے کہ یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جس کام میں نفس کو قدرے مشقت ہو اس کے بار بار کرنے سے اور عادت بنا لینے سے نفس کے اندر مشقت کی برداشت کا ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے دوسرے اعمال میں بھی پس و پیش نہیں کرتا اور نفس کی مزاحمت کی صفت کمزور اور مغلوب ہو جاتی ہے۔

www.askfatwa.com

ربط: آگے مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ انفاق کے بعد احسان جتانے اور ایذاء دینے کو معمولی بات سمجھ کر ان کا ارتکاب مت کرو کیونکہ ان کا انجام بہت خطرناک ہے۔ انفاق کا عمل ہوا لیکن جب اس کے ثواب کی ضرورت ہوئی اور ملنے کی توقع ہوئی تو پتہ چلا کہ وہ عمل ہی ضائع ہو چکا ہے۔

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ
نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِیْهَا مِنْ
کُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْکِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ
اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ
لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ ع ﴿۲۶۶﴾

ترجمہ: کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی یہ کہ ہو اس کا ایک باغ کھجوروں کا اور انگوروں کا بہتی ہوں نیچے اس کے نہریں۔ اس کو اس (باغ) میں سب طرح کا میوہ حاصل ہو اور آ گیا اس پر بڑھاپا اور اس کی اولاد ہے ضعیف تب آ پڑا اس باغ پر ایک بگولا جس میں آگ تھی جس سے وہ باغ جل اٹھا، یوں ہی بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے مثالیں تاکہ تم غور کرو۔

تفسیر: (بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں کا اور انگوروں کا) یعنی اس میں زیادہ درخت ان کے ہوں (بہتی ہوں ان کے نیچے نہریں)۔ اور (اس شخص کے لیے اس باغ میں) کھجوروں اور انگوروں کے علاوہ (اور بھی ہر قسم کے) مناسب (میوے ہوں اور اس شخص کا بڑھاپا آ گیا ہو) جو کہ زیادہ احتیاج کا زمانہ ہوتا ہے (اور اس کے اہل و عیال بھی ہوں، جن میں) کمانے کی (قوت نہیں) اس صورت میں اہل و عیال سے بھی اس کو خبر گیری کی توقع نہیں ہو گی، پس ذریعہ معاش صرف وہی باغ ہوا (سو) ایسی حالت میں یہ قصہ ہو کہ (اس باغ پر ایک بگولہ آئے جس میں آگ) کا مادہ (ہو پھر) اس سے (وہ باغ جل جائے)۔ ظاہر بات ہے کسی کو اپنے لئے یہ بات پسند نہیں آ سکتی، پھر اسی کے مشابہ تو یہ بات بھی ہے کہ اول صدقہ دیا یا کوئی اور نیک کام کیا جس کے قیامت میں کارآمد ہونے کی امید ہو جو کہ انتہائی احتیاج کا وقت ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ قبولیت کا مدار انہیں طاعات پر ہو گا پھر ایسے وقت میں معلوم ہو گا کہ ہمارے احسان جتلانے یا غریب کو ایذاء دینے سے ہماری طاعات تو ثواب سے خالی رہ گئیں، اس وقت کیسی سخت حسرت ہو گی کہ کیسی کیسی آرزوؤں کا خون ہو گیا۔ پس جب تم مثال کے واقعہ کو پسند نہیں کرتے تو اپنی طاعات پر ثواب کے استحقاق کے ابطال کو

www.ashfatwa.com

کیسے گوارا کرتے ہو (اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتے ہیں تمہارے) سمجھانے کے (لئے تاکہ تم سوچا کرو) اور سوچ کر اس کے موافق عمل کیا کرو۔

فائدہ: اعمال وطاعات کے باطل اور خراب ہونے کی تحقیق:

اعمال میں انوار و برکات کی شرط یہ ہے کہ آدمی گناہوں میں مشغول ہونے سے بچے کیونکہ جب طاعات کے بعد معاصی اور گناہوں میں مشغول ومنہمک ہو جاتا ہے تو ان طاعات کے انوار و برکات جاتے رہتے ہیں جس کا اثر دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ طاعت کی جو حلاوت دل میں پیدا ہوئی تھی وہ زائل ہو جاتی ہے اور ایک طاعت سے دوسری طاعت میں بھی کمی، ناغہ اور سستی ہونے لگتی ہے۔ نور و برکت کے جاتے رہنے کو بھی کہیں کہیں آیات و احادیث میں حبط وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مشہور حبط اصطلاحی یعنی عمل کا بالکل اور سرے سے ختم اور ناقابل اعتبار ہو جانا اس سے یہ مختلف ہے۔

ربط: انفاق میں جن امور کی رعایت ضروری ہے ان میں سے بعض کا ذکر تو ہو چکا جیسے احسان جتلانے کو اور آزار پہنچانے کو اور دکھلاوے کو ترک کرنا۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ چیز ردی اور خراب نہ ہو۔ اس کو آگے بیان فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ
مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا
الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا
فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾

ترجمہ: اے ایمان والو خرچ کرو عمدہ چیزوں میں سے جو تم نے کمائیں اور اس میں سے کہ جو نکالیں ہم نے کی تمہارے واسطے زمین سے۔ اور مت قصد کرو ردی چیز کا کہ اس میں سے تم خرچ کرو حالانکہ نہیں ہو تم لینے والے اس کو مگر یہ کہ تم چشم پوشی کر جاؤ۔ اور جان رکھو کہ اللہ بے پروا ہے تعریفوں والا ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو) نیک کام میں (خرچ کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور) عمدہ چیز کو (اس) نباتات وغیرہ (میں سے جس کو ہم نے تمہارے) کام میں لانے کے (لئے زمین سے پیدا کیا اور ردی) ناکارہ (چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کر دو حالانکہ) ویسی ہی چیز اگر کوئی تم کو تمہارے واجب حق کے عوض یا ہدیہ میں دینے لگے تو (تم کبھی اس کے لینے والے نہیں، ہاں

مگر چشم پوشی) اور رعایت (کر جاؤ) تو اور بات ہے (اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں) جو ایسی ناکارہ چیزوں سے خوش ہوں (تعریف کے لائق ہیں) یعنی وہ اپنی ذات وصفات میں کامل ہیں تو ان کے دربار میں چیز بھی کامل تعریف کے لائق ہی پیش کرنا چاہئے۔

فائدہ: 1- یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس عمدہ چیز ہو اور خرچ کر سکتا ہو اور پھر وہ بری نکمی چیز خرچ کرے۔ اور جس کے پاس اچھی چیز ہو ہی نہیں اس کے لئے یہ ممانعت نہیں ہے اور اس کی وہ بری بھی مقبول ہے۔

2- عشری زمین میں عشر واجب ہے اس آیت کے ان الفاظ کی وجہ سے وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ.

ربط: آگے انفاق سے متعلق دو تنبیہیں اور دو حکم ذکر کرتے ہیں:

پہلی تنبیہ: جب انفاق کرنے کو موجود ہو تو یہ اندیشہ مت کرو کہ انفاق کرنے سے تنگدست ہو جاؤ گے کیونکہ یہ شیطانی ڈراوا ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

ترجمہ: شیطان ڈراوا دیتا ہے تم کو محتاجی کا اور حکم دیتا ہے تم کو بے حیائی کا۔ اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو بخشش کا اپنی طرف سے اور فضل کا اور اللہ (بہت) کشائش والا ہے (سب کچھ) جانتا ہے، عنایت کرتا ہے (دین کی) سمجھ جس کو چاہے اور جو دیا گیا سمجھ تو وہ دیا گیا بہت سی خیر اور نہیں نصیحت لیتے مگر عقل والے۔

تفسیر: (شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے) کہ اگر خرچ کرو گے یا اچھا مال خرچ کرو گے تو محتاج ہو جاؤ گے (اور تم کو بے حیائی کی بات) یعنی بخل (کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے) اس کی راہ میں خرچ کرنے پر اور اچھی چیز خرچ کرنے پر (اپنی طرف سے گناہ معاف کر دینے کا اور زیادہ دینے کا) یعنی چونکہ نیک جگہ خرچ کرنا طاعت ہے اور طاعت سے معصیت کا کفارہ ہو جاتا ہے،

لہٰذا اس سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کسی کو دنیا میں بھی اور آخرت میں تو سب کو ہی خرچ کا عوض بھی زیادہ کر کے دیتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں) وہ سب کچھ دے سکتے ہیں لیکن نیتوں کو بھی (خوب جاننے والے ہیں) لہٰذا نیت کے موافق ثمرہ دیتے ہیں۔ اور یہ سب مضامین بہت واضح ہیں، لیکن ان کو وہی شخص سمجھتا ہے جس کو دین کا فہم اور سمجھ ہو اور اللہ تعالیٰ (دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور) سچ تو یہ ہے کہ (جس کو دین کا فہم دیا جائے اس کو بڑی خیر کی چیز دی گئی) کیونکہ دنیا کی کوئی نعمت اس کے برابر نافع نہیں (اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں) یعنی جو صحیح عقل رکھتے ہیں۔

فائدہ: 1- یہاں ڈراوے سے مراد دور دراز کے وہم ہیں جو باوجود مالی گنجائش کے نیک کام میں خرچ کرنے کے وقت وقتاً فوقتاً دل میں آیا کرتے ہیں۔ ایسے وہم میں ڈالنا یہ شیطان کا کام ہے اور بخیل لوگ ایسے وہموں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس آیت میں اس پر عمل کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ جب گنجائش ہے تو مناسب مقدار کے خرچ کرنے سے محتاجی کا احتمال ہی غلط ہے لہٰذا آیت کا حاصل یہ ہوا کہ ایسے انفاق میں ضرر تو بالکل نہیں اور نفع ہر طرح کا ہے کہ مغفرت بھی ملے اور فضل بھی۔ پس سمجھ بوجھ کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی حالت میں شیطانی وسوسہ کو ہرگز قبول نہ کرے۔

ہاں اگر کوئی شخص واقعی محتاج ہو تو شریعت خود ایسے شخص کو صدقات و تبرعات سے روکتی ہے اور ایسے شخص کے خرچ نہ کرنے کو بخل بھی نہیں کہہ سکتے۔

2- دین کا فہم سب سے زیادہ نافع اس لئے ہے کہ اس سے عقائد درست ہوتے ہیں اعمال کی توفیق ہوتی ہے اور عقائد و اعمال پر آخرت میں نجات اور ثواب ہے اور دنیا کی کوئی نعمت ثواب اور نجات کی برابری نہیں کرسکتی۔

دوسری تنبیہ: یہ اندیشہ بھی مت کرو کہ اللہ کو شاید تمہارے کچھ یا بہت سے انفاق کا علم ہی نہ ہو۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

ترجمہ: اور جو بھی خرچ کرتے ہو تم خرچہ یا منت مانتے ہو کوئی منت تو بے شک اللہ جانتا ہے اس کو اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار۔

تفسیر: (اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو تو یہ اندیشہ مت

www.askfatwa.com

کرو کہ شاید اللہ کو اس کا علم نہ ہو۔ سو حق تعالیٰ کو اس خرچہ اور نذر سب کی یقیناً اطلاع ہے لہٰذا تمہارا کوئی بھی انفاق اور خرچ جزا سے خالی نہ رہے گا اور بے جا کام کرنے والوں کا) یعنی اللہ کے احکام کو قبول نہ کرنے والوں کا اور مخالفت کرنے والوں کا قیامت میں (کوئی حمایتی نہ ہوگا)۔

تیسری تنبیہ: انفاق کا اخفاء اس کے اظہار سے افضل ہے۔

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

ترجمہ: اگر ظاہر کرو صدقات کو تو کیا ہی اچھی بات ہے وہ اور اگر تم چھپاؤ ان کو اور دو وہ فقیروں کو تو وہ بہتر ہے تمہارے لیے۔ اور دور کر دے گا تم سے کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔

تفسیر: (اگر تم ظاہر کر کے دو صدقات کو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کا اخفاء کرو اور اخفاء کے ساتھ (فقیروں کو دید و تب اخفاء تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے) کیونکہ اس میں ریا اور دکھلاوے سے بچت ہے جس سے ثواب بھرپور ملتا ہے (اور اللہ تعالیٰ) اس کی برکت سے (تمہارے کچھ گناہ بھی دور کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے) چھپا کر (کئے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں)

فائدہ: امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ یہ آیت فرض اور نفل سب صدقات کو شامل ہے اور سب میں اخفاء ہی افضل ہے۔ اس میں دینی مصلحت بھی ہے کہ ریا سے زیادہ دوری ہے لینے والا بھی نہیں شرماتا اور دنیوی مصلحت بھی ہے کہ اپنے مال کی مقدار عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتی۔ البتہ اگر کسی موقع پر کسی عارض کی وجہ سے مثلاً رفع تہمت یا دوسروں کی پیروی کی امید سے اظہار کو ترجیح ہو جائے تو یہ اخفاء کے فی نفسہ افضل ہونے کے خلاف نہیں۔

چوتھی تنبیہ: نفلی صدقہ خیرات دینے میں کچھ مسلمان کی تخصیص نہیں ہے اگر کافر بھی حاجت مند ہو تو اس کے ساتھ احسان کرنے سے دریغ مت کرو بشرطیکہ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے نہ رہتا ہو۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ

وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

ترجمہ: نہیں ہے تیرے ذمہ لوگوں کی ہدایت اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو مال سے سو اپنے ہی واسطے۔ اور نہیں خرچ کرتے ہو تم مگر تلاش کرتے ہوئے اللہ کی رضا۔ اور جو خرچ کرتے ہو تم مال سے سو پوری دی جائے گی (اس کی جزا) تم کو اور تم نہ کمی کئے جاؤ گے۔

تفسیر: چونکہ بہت سے صحابہ کفار کو اس مصلحت سے خیرات نہ دیتے تھے کہ شاید اسی تدبیر سے کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی رائے دی تھی اس لئے اس آیت میں دونوں سے خطاب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ (ان) کافروں (کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ) فرض واجب (نہیں) جس کے لئے ایسے اہتمام کئے جائیں (ولیکن) یہ تو (خدا تعالیٰ) کا کام ہے (جس کو چاہیں ہدایت پر لے آئیں) آپ کا کام صرف ہدایت کا پہنچا دینا ہے خواہ کوئی ہدایت پر آئے یا نہ آئے اور ہدایت کا پہنچا دینا امداد کی ممانعت پر موقوف نہیں (اور) اے مسلمانو! (جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدہ کی غرض سے کرتے ہو اور) اس فائدہ کا بیان یہ ہے کہ (تم اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے سوائے حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے جس پر ثواب ملتا ہے اور یہ بات) ہر حاجت مند کی حاجت پوری کرنے سے حاصل ہوتی ہے، پھر مسلمان فقیر کی تخصیص کیوں کی جائے (اور) نیز (جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب) یعنی اس کا عوض اور ثواب (پورا پورا تم) ہی (کو) آخرت میں (مل جائے گا اور تمہارے لئے اس میں ذرا کمی نہ کی جائے گی) سو تم کو اپنے عوض سے مطلب رکھنا چاہئے اور عوض ہر حال میں ملے گا پھر تم کو اس سے کیا بحث کہ ہمارا صدقہ مسلمان ہی کو ملے کافر کو نہ ملے۔

پانچویں تنبیہ:

اوپر نفلی صدقات میں مومن کی تخصیص نہ ہونے کا ذکر ہوا اب بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ حاجت کے وقت سب کو دینا چاہئے لیکن اصل استحقاق ان لوگوں کا ہے جن میں خاص صفتیں ہوں یعنی اپنی طرف سے تو ایسوں ہی کو تفتیش کر کے دے اور بلا تفتیش جس کی حاجت پر اطلاع ہو جائے اس کو دے دیا کرے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا

www.askfatwa.com

مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۷۳﴾

ترجمہ: (خیرات) ان فقیروں کے لئے ہے جو روکے ہوئے ہیں راہ خدا میں نہیں طاقت رکھتے چلنے پھرنے کی زمین میں۔ سمجھتا ہے ان کو ناواقف مالدار (ان کے) سوال نہ کرنے سے۔ تو پہچانتا ہے ان کو ان کی علامت سے، نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر۔ اور جو کچھ تم خرچ کروگے مال سے تو بے شک اللہ اسکو جانتا ہے۔

تفسیر: (اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو روکے ہوئے ہوں اللہ کی راہ) یعنی دین کی خدمت (میں) اور اسی خدمت دین میں مقید اور مشغول رہنے سے (وہ لوگ) طلب معاش کے لئے (کہیں زمین میں چلنے پھرنے کا) عادۃً (امکان نہیں رکھتے) اور ناواقف ان کو مالدار خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے) البتہ (تم ان لوگوں کو ان کے علامت) یعنی ہیئت (سے پہچان سکتے ہو) کیونکہ فقر و فاقہ سے چہرے اور بدن میں ایک گونہ اضمحلال ضرور آجاتا ہے اور یوں (وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے) جس سے کوئی ان کو حاجت مند سمجھے، یعنی مانگتے ہی نہیں، کیونکہ اکثر جو لوگ مانگنے کے عادی ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں (اور) ان لوگوں کی خدمت کرنے کو (جو مال خرچ کروگے بے شک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے) دیگر لوگوں کو دینے کے مقابلہ میں ان کی خدمت کا زیادہ ثواب دیں گے۔

چھٹی تنبیہ: انفاق فی الخیر میں کسی زمانہ اور کسی حالت کی تخصیص نہیں جب موقع ہو خرچ کرنا چاہیئے سب مقبول ہے۔

اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ

بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ

وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۴﴾

ترجمہ: جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال (اللہ کی راہ میں) رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر کر کے تو ان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تفسیر: (جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں) یعنی اوقات کی تخصیص کے بغیر (پوشیدہ اور اعلانیہ) یعنی حالات کی تخصیص کے بغیر (سو ان لوگوں) کا سب انفاق مقبول ہوگا اور

ان (کو ان کا ثواب ملے گا) قیامت کے روز (ان کے رب کے پاس) جا کر (اور) اس روز (نہ ان پر کوئی خطرہ) واقع ہونے والا ہی (ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

ربط: اوپر راہ خدا میں انفاق کا ذکر تھا۔کسی ضرورت مند کو قرض دینا اور قرض کی واپسی میں مہلت دینا ایک طرح سے صدقہ ہے اور باعث ثوات ہے۔قرض پر سود لینا صدقہ کے بالکل برعکس ہے۔اس مناسبت سے آگے سود اور قرض کے احکام بتاتے ہیں۔

حکم 40: سود کی حرمت و مذمت

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا
لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ
الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ
اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧٥﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي
الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٧٦﴾

ترجمہ: جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے (قیامت کو) مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ خبطی کر دیا ہو جس کو جن نے لپٹ کر۔ یہ (حالت ان کی) اس واسطے ہے کہ انہوں نے کہا کہ بیع بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود حالانکہ حلال کیا ہے اللہ نے بیع کو اور حرام کیا ہے سود کو۔ پھر وہ کہ پہنچی جس کو نصیحت اس کے رب کی طرف سے اور وہ باز آ گیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اس کا اللہ کے حوالے ہے۔اور جو کوئی عود کرے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ نہیں محبت کرتا ہر کفر کرنے والے گنہگار سے۔

تفسیر: (جو لوگ سود کھاتے ہیں) یعنی لیتے ہیں (نہیں کھڑے ہوں گے) قیامت میں قبروں سے (مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان) جن (نے لپٹ کر خبطی) یعنی حیران و مدہوش

(بنا دیا ہو۔ یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان) سود خور (لوگوں نے) سود کے حلال ہونے پر استدلال کرتے ہوئے (کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے) کیونکہ اس میں بھی مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور بیع یقیناً حلال ہے، پھر سود جو کہ اس کی مثل ہے اس کو بھی حلال ہونا چاہئے (حالانکہ) یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ دونوں میں کھلا فرق ہے۔ ایک فرق اس طرح سے کہ (اللہ تعالیٰ) جو احکام دینے کے مالک ہیں انہوں (نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے) اس سے زیادہ اور کیا فرق ہوگا (پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے) اس بارے میں (نصیحت پہنچی اور وہ) اس سود کے فعل اور اس کفر کے قول سے یعنی سود کو حلال کہنے سے (باز آ گیا)اور حرام سمجھنے لگا اور لینا بھی چھوڑ دیا (تو جو کچھ) شریعت کے اس حکم کے آنے سے (پہلے) لینا (ہو چکا ہے وہ اس کا رہا) یعنی ظاہر میں شرع کے نزدیک اس کی یہ توبہ قبول ہوگئی اور لیا ہوا مال اس کی ملک ہے (اور) باطنی (معاملہ اس کا) کہ وہ دل سے باز آیا ہے یا منافقانہ توبہ کر لی ہے، یہ (خدا کے حوالے رہا) اگر دل سے توبہ کی ہوگی عند اللہ نافع ہوگی ورنہ کالعدم ہوگی، تم کو بدگمانی کا کوئی حق نہیں (اور جو شخص) مذکور نصیحت سن کر بھی اسی قول اور اسی فعل کی طرف (پھر عود کرے تو) اس وجہ سے کہ ان کا یہ فعل خود گناہ کبیرہ ہے (یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے) اور اس وجہ سے کہ ان کا یہ قول کفر ہے (وہ اس) دوزخ (میں ہمیشہ رہیں گے)اور دونوں میں دوسرا فرق اس وجہ سے ہے کہ گو سود لینے سے فی الحال مال بڑھتا نظر آتا ہے، لیکن انجام کار (اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں) کبھی تو دنیا ہی میں سب برباد ہو جاتا ہے ورنہ آخرت میں تو یقینی بربادی ہے، کیونکہ وہاں اس پر عذاب ہوگا (اور)اس کے برخلاف صدقہ دینے میں گو فی الحال مال گھٹتا معلوم ہوتا ہے لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ (صدقات کو بڑھاتے ہیں) کبھی تو دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو یقیناً بڑھاتے ہیں کہ وہاں اس پر بہت سا ثواب دیتے ہیں، جیسا اوپر آیات میں مذکور ہوا (اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے) بلکہ مبغوض رکھتے ہیں (ہر کفر کرنے والے کو) جو کہ ذکر کردہ قول کے مثل کلمات کفر منہ سے بکے اور اسی طرح پسند نہیں کرتے (کسی گناہ کے کام کرنے والے کو) جو کہ فعل مذکور یعنی سود کے مثل کبائر کا مرتکب ہو۔

فائدہ : 1- قیامت میں سود خور کی جنون کی حالت کو جو تشبیہ دی گئی ہے اس شخص کی حالت سے جس کو شیطان نے لپٹ کر خبطی کر دیا ہو اس سے معلوم ہوا کہ آسیب کا لپٹ جانا امر ممکن ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جنات میں بعض خبیث ہوتے ہیں وہ بعض دفعہ کسی شخص کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور ان کے تسلط سے انسان بدحواس ہو جاتا ہے۔

2- قیامت میں جو یہ سزا دی جائے گی تو جرم کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس شخص کا یہ کہنا **انما البیع مثل الربوا** دین کے بارے میں اس شخص کی بے عقلی کی وجہ سے ہے۔ اس لئے اس کو سزا

بھی زوال عقل کی دی جائے گی۔ اسی طرح یہ فعل یعنی سود لینا بھی بے عقلی پر دلیل ہے کیونکہ جس علم پر عمل نہ ہو وہ گویا علم اور عقل ہے ہی نہیں۔

3- اللہ تعالیٰ نے ان کے مذکور استدلال کا جو جواب دیا ہے وہ حاکمانہ ہے جو قوانین کے بیان کے وقت بالکل کافی اور نہایت مناسب ہے۔

ربط: اوپر سود کے باب میں بداعتقاد اور بدعمل لوگوں کا ذکر تھا آگے قرآن کی عادت کے مطابق صحیح اعتقاد اور نیک عمل لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ
أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٧﴾

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور کئے نیک عمل اور قائم رکھا نماز کو اور دیتے رہے زکوۃ ان کے لئے ہے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس اور نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تفسیر: اوپر مذکور کافر اور بدعمل لوگوں کے برعکس (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے کہ سود کو حرام سمجھا اور سود لینے کی بدعملی سے بچتے ہوئے انہوں نے نیک کام کئے اور) اللہ کی طرف رغبت میں بالخصوص (نماز کی پابندی کی اور زکوۃ دی، ان کے لئے ان کا ثواب ہوگا ان کے پروردگار کے پاس اور) آخرت میں (ان پر کوئی خطرہ) واقع ہونے والا (نہیں ہوگا اور نہ وہ) کسی مقصود کے فوت ہونے سے (مغموم ہوں گے)

ربط: اوپر آئندہ سود لینے سے ممانعت تھی آگے پچھلے چڑھے ہوئے سود کا حکم بتاتے ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ
وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾

www.askfatwa.com

ترجمہ: اے ایمان والوڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر ہو تم ایمان والے۔ پس اگر (ایسا) نہیں کرتے تو اعلان سن لو لڑائی کا اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ اور اگر تم توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہیں اصل مال تمہارے۔ نہ تم (کسی پر) ظلم کرو گے اور نہ تم ظلم کئے جاؤ گے۔

تفسیر: (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو) کیونکہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے (پھر اگر تم) اس پر عمل (نہ کرو گے تو اعلان سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے) یعنی تمہارے خلاف جہاد ہو گا (اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے)۔ اس قانون کے بعد (نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے) کہ تم اصل مال سے زیادہ لینے لگو (اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا) کہ تمہارا اصل مال بھی نہ دلایا جائے۔

فائدہ: آیت میں جو جہاد کے لئے فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سود کو حرام تو سمجھتا ہے لیکن پھر بھی سود لینا نہیں چھوڑتا تو جہاد کی وجہ یہ ضابطہ ہے کہ جو مسلمان کسی خاص شرعی حکم کے خلاف کرے اور حاکم کے کہنے پر بھی باز نہ آئے تو اس پر جبر کرنا چاہئے۔ پھر اگر یہ چند آدمی ہوں تو تب تو جبر چل جائے گا اور اگر وہ محض جبر کو خاطر میں نہ لائے بلکہ گروہ و جماعت بنا کر مقابلہ کرے تو ان کے خلاف جہاد کرنا چاہئے کیونکہ ایسے لوگوں کا حکم باغیوں کا سا ہے۔ اور اگر سود کو حلال سمجھتا ہے تو حرمت کا حکم آنے کے بعد بھی اس کو حلال سمجھنا کفر اور ارتداد ہے جس کی حد قتل ہے۔

حکم 41: مفلس مقروض کو مہلت دینا واجب ہے:

اگرچہ یہ حکم عام ہے لیکن ماقبل کے ساتھ ایک خاص مناسبت بھی ہے وہ یہ کہ سود خوروں کا قاعدہ ہے کہ میعاد پر مطالبہ کرنے پر اگر مقروض مہلت مانگتا تو مہلت کے عوض اور سود لیتے تھے۔ اگلی آیت سے اس رسم بد کو مٹانا مقصود ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ
وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۸۰

ترجمہ: اور اگر ہے تنگدست تو مہلت (دینی چاہئے) کشائش ہونے تک اور یہ کہ تم معاف کر دو تو بہت بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانتے ہے۔

www.askfatwa.com

تفسیر: (اور اگر) قرضدار (تنگ دست ہے) اور اس لئے میعاد پر نہ دے سکے (تو) اس کو (مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی) یعنی اس کے پاس ادائیگی کی گنجائش ہونے (تک اور یہ) بات (کہ) بالکل (معاف ہی کر دو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو اس کے ثواب کی (خبر ہو)۔

ربط: اوپر کے احکام میں چونکہ بظاہر مالی نفع کا کچھ کم ہونا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ خیال ہوتا ہے کہ سود چھوڑنے میں آمدنی کم ہوئی اور مہلت دینے میں آمدنی دیر سے حاصل ہوئی اور مال کی محبت طبعی ہے اس لئے لوگوں کا ان احکام میں کوتاہی کرنا بعید نہ تھا لہذا اس مقام میں کوتاہی کرنے پر کسی قدر ترہیب اور ڈراوا مناسب ہوا۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ
تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا

ترجمہ: اور ڈرتے رہو اس دن سے تم لوٹائے جاؤ گے جس میں اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور وہ نہ ظلم کئے جائیں گے۔

تفسیر: (اور) اے مسلمانو! (اس دن سے ڈرو جس میں تم) سب (اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا) یعنی اس کا بدلہ (پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہو گا) تو تم پیشی کے لئے اپنی کارگذاری درست رکھو اور کسی قسم کی خلاف ورزی مت کرو۔

حکم 42: قرض سے متعلق

اس حکم میں کئی جزو ہیں یعنی

1- قرض کی دستاویز لکھنے کا مشورہ۔ یہ لکھنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ اگر کوئی نہ لکھے لکھائے تو گناہگار نہیں۔ صرف مصلحت ہے تاکہ بعد میں اختلاف نہ ہو۔

2- کاتب کو دستاویز لکھنے سے انکار کی ممانعت۔ یہ بھی استحباب کے لئے ہے۔ اسی لئے اگر کاتب لکھنے پر اجرت لے تو جائز ہے۔

3- دستاویز مقروض کی جانب سے ہو۔

4- گواہ بنانا۔

i- چونکہ ثبوت کا مدار گواہی پر ہے لہذا دستاویز لکھنا ضروری نہیں ہے اور اگر لکھی جائے تو یہ ضروری

نہیں کہ اس پر گواہوں کے دستخط بھی ہوں صرف ان کا سن لینا یا دستاویز کو دیکھ لینا یا واقعہ کا مشاہدہ کر لینا اگرچہ دستاویز بھی نہ ہو کافی ہے۔ لیکن دستاویز پر گواہوں کا دستخط کر دینا یادداشت کی سہولت اور احتیاط و مصلحت کا موجب ہے کیونکہ اکثر اپنے دستخط دیکھ کر وہ بات یاد آجاتی ہے۔

ii- گواہ بننے کے لئے بلانے پر جانا مستحب ہے۔ البتہ گواہ بن جانے کے بعد طلب پر گواہی کے لئے جانا بعض صورتوں میں فرض ہے۔

5- گواہوں کو انصاف سے گواہی دینا اور ان کے لئے گواہی دینے سے انکار کی ممانعت۔

6- قرض کے عوض گروی رکھنا۔

رہن وگروی رکھنا سفر و حضر دونوں میں جائز ہے۔ یہاں آیات میں سفر کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ حضر کی بنسبت سفر میں اس کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے کیونکہ حضر میں اطمینان اور توثیق کے اور ذرائع مثلاً کتابت اور گواہ بنانا میسر ہوتے ہیں جو سفر میں اکثر اوقات میسر نہیں ہوتے۔

7- گواہی کو چھپانے کی حرمت

گواہی کا چھپانا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ بالکل بیان نہ کرے دوسرے یہ کہ غلط بیان کرے۔ دونوں میں اصل واقعہ چھپ جاتا ہے اور دونوں صورتیں حرام ہیں۔ گواہی چھپانے کو دل کا گناہ کہا تاکہ کوئی شخص اس کو محض زبان کا گناہ نہ سمجھ لے کیونکہ اس کا ارادہ تو دل ہی سے ہوا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ
إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ
وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ
الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ
فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ
أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا
شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ
وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا

فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ
وَلَا تَسْــٴَـمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ
اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ
اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ
كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۬ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو لکھ لیا کرو اس کو۔ اور چاہیئے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے۔ اور نہ انکار کرے لکھنے والا لکھنے سے جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو اس کو چاہیئے کہ لکھ دے۔ اور لکھوا دے وہ شخص کہ جس پر حق (قرض) ہے اور ڈرے اللہ اپنے رب سے اور نہ کم کرے اس میں سے کچھ۔ پھر اگر وہ شخص کہ جس پر (قرض) ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا طاقت نہیں رکھتا لکھوانے کی وہ تو لکھوا دے اس کا کارکن انصاف سے۔ اور گواہ بنا لو دو گواہ اپنے مردوں میں سے۔ پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان لوگوں میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں سے تاکہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلا دے اس کو دوسری۔ اور نہ انکار کریں گواہ جس وقت بلائے جائیں۔ اور مت اکتاہٹ کرو لکھنے سے اس کو چھوٹا ہو معاملہ یا بڑا اس کی میعاد تک۔ یہ بات پوری انصاف والی ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والی ہے گواہی کو اور زیادہ قریب ہے اس کے کہ نہ پڑو تم شبہ میں مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو اس کو آپس میں تو نہیں تم پر کچھ گناہ کہ نہ لکھو تم اس کو اور گواہ بنا لیا کرو جب تم سودا کرو۔ اور ضرر نہ دیا جائے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر تم ایسا کرو تو یہ گناہ کی بات ہے تمہارے اندر۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اور تم کو سکھاتا ہے اللہ۔ اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔ اور اگر ہو تم سفر میں اور نہ پاؤ تم کوئی لکھنے والا تو گروی اشیاء ہوں قبضہ کی ہوئی۔ پھر اگر اعتبار کرلے ایک دوسرے کا تو چاہیئے کہ پورا ادا کرے وہ شخص کہ جس پر اعتبار کیا گیا اپنی امانت کو اور ڈرتا رہے اللہ اپنے رب سے

اور مت چھپاؤ تم گواہی کو اور جو شخص چھپائے اس کو تو بے شک گناہگار ہے دل اس کا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا) خواہ دام ادھار ہوں یا جو چیز خریدنا ہے وہ ادھار ہو جیسے بیع سلم میں (ایک میعاد معین تک) کے لئے (تو اس) کی یادداشت و دستاویز (کو لکھ لیا کرو اور یہ ضروری ہے کہ تمہارے درمیان) جو (کوئی لکھنے والا) ہو وہ (انصاف کے ساتھ لکھے) یعنی کسی کی رعایت کر کے مضمون میں کمی بیشی نہ کرے (اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ خدا نے اس کو) لکھنا (سکھایا ہے اس کو چاہیئے کہ لکھ دیا کرے اور) کاتب کو (وہ شخص) بتا دے اور (لکھوا دے جس کے ذمہ وہ حق واجب ہو) کیونکہ دستاویز کا حاصل حق کا اقرار کرنا ہوتا ہے تو جس کے ذمہ حق ہے اسی کا اقرار ضروری ٹھہرا (اور) لکھاتے وقت (اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس) حق (میں سے ذرہ برابر) بتانے میں (کمی نہ کرے۔ پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر ضعیف العقل) یعنی معتوہ یا مجنون (ہو یا ضعیف البدن) یعنی نابالغ یا بہت بوڑھا (ہو یا) اور کسی اتفاقی امر سے (خود) بیان کرنے کی اور (لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو) مثلاً گونگا ہے اور لکھنے والا اس کا اشارہ نہیں سمجھتا، یا مثلاً دوسرے ممالک کا رہنے والا ہے اور مختلف زبان بولتا ہے اور لکھنے والا اس کی بولی نہیں سمجھتا (تو) ایسی حالت میں (اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے۔

اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ) بھی (کر لیا کرو) اور شریعت میں دعوی کے ثبوت کا اصل مدار یہی گواہ ہیں گو دستاویز نہ ہو۔ دستاویز لکھنے سے یادداشت کی آسانی ہوتی ہے کہ اس کا مضمون دیکھ کر اور سن کر طبعی طور پر اکثر تمام واقعہ یاد آ جاتا ہے، جیسا عنقریب قرآن ہی میں آتا ہے (پھر اگر وہ دو گواہ مرد) میسر (نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں) گواہ بنا لی جائیں (ایسے گواہوں میں سے جن کو تم) ان کے معتبر ہونے کی وجہ سے (پسند کرتے ہو) اور ایک مرد کی جگہ دو عورتیں اس لئے تجویز کی گئیں (تا کہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی) شہادت کے کسی حصہ کو خواہ ذہن سے یا شہادت کے وقت بیان کرنے سے (بھول جائے تو ایک دوسری کو یاد دلا دے) اور یاد دلانے کے بعد شہادت کا مضمون مکمل ہو جائے۔

(اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب) گواہ بننے کے لئے بلائے (جایا کریں) کہ اس میں اعانت ہے اپنے بھائی کی۔

(اور تم اس) دین (کے اس کی میعاد تک) بار بار (لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ وہ) معاملہ دین کا (چھوٹا ہو یا بڑا ہو یہ لکھ لینا انصاف کو زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ لائق ہے اس بات کا کہ تم) معاملہ کے متعلق (کسی شبہ میں نہ پڑو) اس لئے لکھ ہی

www.askfatwe.com

لینا اچھا ہے (مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام) اور مضرت (نہیں اور) اتنا اس میں بھی ضرور کیا کرو کہ اس کے (خرید وفروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو) شاید کل کو کوئی بات نکل آئے مثلاً بائع کہنے لگے کہ مجھ کو دام ہی وصول نہیں ہوئے، یا یہ چیز میں نے فروخت ہی نہیں کی یا مشتری کہنے لگے کہ میں نے تو واپسی کا اختیار بھی لے لیا تھا یا ابھی تو سودے کی چیز پوری میرے پاس نہیں پہنچی۔

(اور) جس طرح ہم نے اوپر کاتب اور گواہ کو منع کیا ہے کہ کتابت اور شہادت سے انکار نہ کریں اسی طرح ہم تم کو بھی تاکید کرتے ہیں کہ تمہاری طرف سے (نہ کسی کاتب کو تکلیف دی جائے اور نہ کسی گواہ کو) مثلاً اپنی مصلحت کے لئے ان کی کسی مصلحت میں خلل نہ ڈالا جائے (اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور خدا تعالیٰ سے ڈرو) اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے وہ مت کرو (اور) اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ (تم کو) مفید احکام کی (تعلیم فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں) تو وہ فرمان بردار اور نافرمان کو بھی جانتے ہیں ہر ایک کو مناسب جزا دیں گے۔

(اور اگر تم) ادھار کا معاملہ کرنے کے وقت (کہیں سفر میں ہو اور) دستاویز لکھنے کے واسطے وہاں (کوئی کاتب نہ پاؤ سو) ایسی حالت میں اطمینان کا ذریعہ (رہن رکھنے کی چیزیں) ہیں (جو) ادھار لینے والے کی طرف سے صاحب حق کے (قبضہ میں دیدی جائیں اور اگر) ایسے وقت میں بھی (ایک فریق معاملہ دوسرے کا اعتبار کرتا ہو اور اس لئے رہن کی ضرورت نہ سمجھے تو (جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے) یعنی ادھار لینے والا تو (اس کو چاہئے کہ دوسرے کا حق) پورا پورا (ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے) اور اس کا حق نہ مارے۔

(اور شہادت کا اخفاء مت کرو خواہ اس طرح کہ شہادت کو سرے سے بیان ہی نہ کرو یا اس طرح کہ غلط بیانی کرو اور اس طرح اصل واقعہ مخفی ہو جائے (اور جو شخص اس کا اخفاء کرے گا اس کا قلب گناہگار ہو گا) صرف زبان نہیں (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں) سو اگر کوئی اخفاء کرے گا اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ضرور ہے سو وہ سزا دیں گے۔

فائدہ: عورت کی شہادت مرد کے مقابلہ میں نصف مقرر کی گئی ہے تو جو لوگ قرآن کو مانتے ہیں انکو تو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک ہیں جس طرح کا حکم چاہیں دیں۔ انہوں نے یہ حکم دے دیا اور قرآن میں وہ ثابت بھی ہے تو اب ماننے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ وہ حکمت والے بھی ہیں انکا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اگرچہ ہمیں اسکا علم نہ ہو اور یہ کوئی پابندی نہیں کہ ہمیں ہر حکمت کا ضرور علم بھی ہو۔ علاوہ ازیں قانون اکثریت کو پیش نظر رکھ کر بنایا جاتا ہے اور عورتوں کی اکثریت کی یادداشت

www.askfatwa.com

اور یہ صلاحیت کہ بات کوخصوصا پچھلی بات کو پورا پورا اور صحیح صحیح بیان کر دیں مردوں کے برابر نہیں ہے۔

ربط: مسلمانوں کو مختلف قسم کے احکام کی تعلیم دینے کے بعد اب ان کو ان احکام کی مزید تاکید کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی صفات گنواتے ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۲۸۴)

ترجمہ: اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر ظاہر کرو گے تم جو تمہارے دلوں میں ہے یا چھپاؤ گے اس کو حساب لے گا تم سے اس کا اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب کرے گا جس کو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پہلی صفت: (اللہ ہی کی ملک میں ہیں سب) مخلوقات (جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں) جیسے خود زمین و آسمان بھی اسی کی ملک میں ہیں اور جب وہ مالک ہیں تو ان کو اپنی مملوکہ اشیاء میں ہر طرح قانون بنانے کا حق ہے، اس میں کسی کو کچھ کہنے کی مجال نہ ہونی چاہئے، اور اے مسلمانو! تم کو یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے کہ تم اللہ کے غلام ہو اور غلام کا کام تو بس آقا کا حکم ماننا اور اس پر عمل کرنا ہوتا ہے۔

دوسری صفت: اور اللہ تعالیٰ کمال علم والے ہیں کہ ہر کھلی اور چھپی چیز کو بھی جانتے ہیں لہٰذا (تمہارے دلوں میں) احکام کو مان لینے کے بعد پھر عملی نافرمانی کے (جو عزائم ہیں خواہ تم ان کو ظاہر کر دو یا دل میں ہی چھپائے رکھو اللہ) ان سب کو جانتے ہیں۔ اور (ان پر تمہارا محاسبہ کریں گے پھر جس کو چاہیں گے معاف کر دیں گے اور جس کو چاہیں گے) حسب حال (سزا دیں گے)۔

تیسری صفت: اور اللہ تعالیٰ محاسبہ اور سزا سمیت (ہر) شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

ربط: زبان اور جوارح کے افعال دو قسم کے ہیں۔ اختیاری جیسے ارادہ سے بولنا اور ارادہ سے کسی کو مارنا اور غیر اختیاری جیسے زبان سے کہنا چاہتا تھا کچھ اور بلا ارادہ نکل گیا کچھ یا رعشہ سے ہاتھ کو حرکت ہو۔ ان میں اختیاری افعال پر ثواب و عذاب ہوگا اور غیر اختیاری پر نہ ہوگا۔ اسی طرح قلب کے افعال بھی دو قسم کے ہیں اختیاری جیسے کفر کا عقیدہ جس کو جان بوجھ کر دل میں جمایا ہو یا خود سوچ کر اپنے کو بڑا

سمجھنا اور اس خیال کو قائم رکھنا، یا پختہ ارادہ کرنا کہ شراب پیوں گا۔ اور غیر اختیاری جیسے کفر یا معصیت کے برے برے وسوسے آنا۔ ان میں بھی اختیاری پر مواخذہ ہے اور غیر اختیاری پر نہیں۔

جس طرح زبان و جوارح کے اختیاری افعال میں سے سوائے کفر کے باقی میں احتمال ہے کہ یا تو بخش دیئے جائیں یا ان پر ایک وقت تک کے لئے سزا ہو اسی طرح قلوب کے اختیاری افعال کا بھی یہی معاملہ ہے۔ مگر چونکہ اس آیت میں اختیاری ہونے کی صراحت ذکر نہ تھی اس لئے صحابہ ظاہر الفاظ کے عموم کو دیکھ کر کہ وہ اختیاری و غیر اختیاری دونوں کو شامل ہیں گھبرا گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اب تک تو ہم ایسے افعال کے مکلّف تھے جو ہماری طاقت و اختیار میں تھے جیسے نماز و روزہ و زکوۃ و حج و جہاد، اب یہ آیت آئی ہے یہ تو ہماری طاقت سے خارج ہے۔ اگر چہ رسول ﷺ اس آیت کا صحیح مطلب جانتے تھے لیکن انتہائی خشیت کے غلبہ سے آپ کی نظر بھی الفاظ کے ظاہری عموم کی طرف پہنچی جس طرح آپ نے آیت **اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ** (آپ منافقین کے لئے استغفار کیجئے یا ان کے لئے استغفار نہ کیجئے۔ اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تب بھی اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ کرے گا) کے نازل ہونے کے باوجود ایک منافق کی نماز جنازہ پڑھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عرض کرنے پر فرمایا کہ مجھ کو استغفار کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے میں نے ایک جانب کو اختیار کر لیا۔ اس کی بنیاد بھی انتہائی رحمت کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے آپ نے الفاظ کے ظاہری معنی یعنی اختیار پر نظر کی۔ اسی طرح یہاں ہوا۔ اس لئے از خود تفسیر کرنے کے بجائے آپ نے وحی کا انتظار فرمایا۔ البتہ چونکہ صحابہ کے الفاظ سے بظاہر اعتراض مفہوم ہوتا تھا اس لئے ان کو ادب و انقیاد کی تعلیم کی خاطر فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ اہل کتاب کی طرح **سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا** کہو بلکہ یوں کہنا چاہئے **سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ** چنانچہ صحابہ نے اس طرح کہا لیکن جو معنی انہوں نے سمجھا تھا اس کی بنا پر دل میں خلش باقی رہی۔ اس کہنے پر اللہ تعالیٰ نے اگلی دو آیتیں نازل فرمائیں جن میں سے ایک میں مسلمانوں کی مدح اور دوسری میں آیت بالا کی تفسیر ارشاد فرمائی۔

مسلمانوں کی مدح

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

www.askfatwa.com

غُفۡرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیۡكَ الۡمَصِیۡرُ﴿۲۸۵﴾

ترجمہ : مان لیا رسول نے جو کچھ اتارا گیا اسکی طرف اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی۔ سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو۔ (کہتے ہیں کہ) نہیں فرق کرتے ہم کسی میں اس کے پیغمبروں میں سے۔ اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا۔ تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

تفسیر: (ایمان رکھتے ہیں رسول ﷺ اس چیز) کے حق ہونے (پر جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے) یعنی قرآن پر (اور) دوسرے مومنین بھی (ایمان رکھتے ہیں اللہ پر) کہ وہ موجود ہے اور واحد ہے اور ذات وصفات میں کامل ہے (اور اس کے فرشتوں پر) کہ وہ زندہ اور موجود ہیں، گناہوں سے پاک ہیں اور مختلف کاموں پر مقرر ہیں (اور اس کی کتابوں پر) کہ اصل میں سب سچی ہیں (اور اس کے سب پیغمبروں پر) کہ وہ پیغمبر ہیں اور سچے ہیں اور پیغمبروں پر ایمان رکھنا ان کا اس طور پر ہے کہ یہ کہتے ہیں (کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں) عقیدہ رکھنے میں (تفریق نہیں کرتے) کہ کسی کو پیغمبر سمجھیں کسی کو نہ سمجھیں (اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے) آپ کا ارشاد (سنا اور) اس کو (خوشی سے قبول کیا ہم آپ سے بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف) ہم سب کو (لوٹنا ہے)

فائدہ: اصل مقصود تو مومنین کی مدح فرمانا ہے لیکن ان کی مدح کی تقویت کے لئے ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو بھی شامل کر دیا جس میں اس طرف اشارہ ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ایمان کا کامل ہونا تو بلاشبہ یقینی ہے اسی طرح ان کا ایمان بھی کامل ہونے کی وجہ سے اس قابل ہے کہ رسول کے ایمان کے ذیل میں ذکر کر کیا جائے اگرچہ کمال کے درجوں میں تفاوت اپنی جگہ ہے۔

ربط: اب دلوں کی پوشیدہ باتوں پر محاسبہ کا مطلب بتاتے ہیں

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَعَلَیۡهَا مَا اكۡتَسَبَتۡ ؕ

ترجمہ: نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی کو مگر اس کی گنجائش کے بقدر۔ اس کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر (پڑتا) ہے جو اس نے کیا۔

تفسیر: یعنی ہم نے جو اوپر کی آیت میں کہا ہے کہ دلوں کی پوشیدہ باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا اس سے مراد غیر اختیاری امور نہیں بلکہ صرف اختیاری امور ہیں کیونکہ (اللہ تعالیٰ کسی کو) احکام شرعیہ میں (مکلّف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت) اور اختیار (میں ہو، اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ

www.askfatwa.com

سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے) اور جو وسعت سے باہر ہے اس کا مکلّف نہیں کیا گیا۔ اور جس کے ساتھ قصد اور ارادہ متعلق نہیں اس کا نہ ثواب ہے نہ عذاب اور وساوس چونکہ انسانی اختیار اور طاقت سے خارج ہیں تو ان کے آنے کو حرام نہیں کیا اور ان کے روکنے کو واجب نہیں کیا اور نہ ان پر عذاب رکھا۔

فائدہ: 1: حدیث سے اس مضمون کی اور وضاحت ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میری امت سے ان باتوں سے درگذر فرمایا ہے جو دل میں خیالات پیدا ہوں جب تک عمل نہ کرے یا تکلم نہ کرے (رواہ البخاری) اور عمل فعل اختیاری کو کہتے ہیں جس میں قلب کے افعال اختیاری بھی شامل ہیں۔

2: اس آیت سے قاعدہ کلیہ نکلا کہ غیر اختیاری امور کی نہ تکلیف ہے اور نہ ہی ان پر آخرت کا عذاب ہے۔ اور جس طرح اس قاعدہ کلیہ میں قلب کے غیر اختیاری امور شامل ہیں اسی طرح وہ ظاہری افعال جو غیر اختیاری ہوں وہ بھی داخل میں مثلاً وہ افعال جو خطا سے (یعنی بلا قصد) یا نسیان سے صادر ہو جائیں کیونکہ اہتمام کے باوجود یاد نہ رہنا بھی اختیار سے خارج ہے۔ آگے ان سب باتوں کو دعا کی شکل میں سکھایا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ
إِنْ نَّسِيْنَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا
حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ
لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ أَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا
عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾

ترجمہ: اے ہمارے رب نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں، اے ہمارے رب اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا تو نے اس کو ان لوگوں پر جو ہم سے پہلے تھے۔ اے ہمارے رب اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ نہیں ہے طاقت ہم کو جس کی اور درگذر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے سو مدد کر ہماری کافر لوگوں پر۔

تفسیر: (اے ہمارے رب ہماری گرفت نہ فرمائیے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں،

اے ہمارے رب) ہماری یہ بھی درخواست ہے کہ (ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے، اے ہمارے رب اور) ہم یہ بھی درخواست کرتے ہیں کہ (ہم پر کوئی ایسا بار) تکلیف کا دنیا یا آخرت میں (نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو اور درگذر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کیجئے ہم پر آپ ہمارے کارساز ہیں) اور کارساز تو طرفدار ہوتا ہے (سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے)۔

سورۃ اٰل عمران

ربط: یہ پوری سورت گذشتہ سورت بقرہ کے آخری جملہ و انصرنا علی القوم الکافرین کے ساتھ مربوط ہے کیونکہ اس سورت کے زیادہ حصوں میں کفار سے زبان کے ساتھ اور تلوار کے ساتھ جہاد کا تذکرہ ہے جس کی وجہ توحید میں اختلاف ہے لہٰذا اس سورت کو توحید کے مضمون سے شروع کیا ہے۔

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | اٰیَاتُھَا ۲۰۰ - رُکُوْعَاتُھَا ۲۰

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

توحید کی پہلی دلیل:

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴿۲﴾

ترجمہ: الم۔ اللہ نہیں کوئی معبود مگر وہی زندہ ہے سب کا تھامنے والا۔

تفسیر: (الم۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود نہیں) اور اس توحید کے دعوے کی ایک دلیل یہ ہے صرف وہی (زندہ) جاوید (ہیں) اور سب چیزوں کے (سنبھالنے والے ہیں) اور دوسروں کو وہی سنبھال سکتا ہے جو خود قائم ہو اور اپنے قائم ہونے میں کسی اور کا محتاج نہ ہو۔

فائدہ: اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز ازلی و ابدی نہ ہو اور اپنی حفاظت میں خود دوسرے کی محتاج ہو وہ معبود بننے کے لائق نہیں ہوسکتی کیونکہ عبادت انتہائی درجہ کے تذلل و عاجزی کو کہتے ہیں اور یہ صرف اسی کا حق ہے جس کو انتہائی درجہ کی عزت حاصل ہو جو اس ذات کے لئے خاص ہے جو انتہائی درجہ کی کامل ہو۔ تو جو اپنی حیات و بقا میں دوسرے کا محتاج ہو وہ تو انتہائی ناقص ہے لہٰذا عبادت اس کا حق نہیں ہوسکتا۔

توحید کی دوسری دلیل

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾
مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ

ترجمہ: اتاری تجھ پر کتاب واقعیت کے ساتھ (اس کیفیت سے) کہ وہ تصدیق کرنے والی ہے ان (کتابوں) کی جو پہلے ہوئیں اس سے اور اتارا توریت اور انجیل کو پہلے سے بطور ہدایت لوگوں کے لئے اور اتاریں (حق و باطل کے درمیان) فیصلہ کن چیزیں۔

تفسیر: اور توحید کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں کہ جنہوں نے انسانوں کی ہدایت کے سامان کئے مثلاً (اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن اتارا ہے واقعیت کے ساتھ اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرتا ہے ان) آسمانی (کتابوں کی جو اس سے پہلے) انسانوں کی (ہدایت کے لئے اللہ کی طرف سے ہو چکی ہیں اور) اسی طرح (اتارا تھا تورات اور انجیل کو اس کے قبل لوگوں کی ہدایت کے واسطے) اور اللہ تعالیٰ نے) انسانوں کی ہدایت کیلئے انبیاء کا سلسلہ جاری کیا اور پھر انبیاء کی تصدیق کے واسطے (حق و باطل کے درمیان فیصلے کرنے والے امور) مثلاً معجزات وغیرہ نازل فرمائے۔

ربط: اس کے باوجود جو لوگ توحید کا انکار کرتے ہیں وہ سزا کے مستحق ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی آیتوں کے ان کے لیے ہے سخت عذاب اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا ہے۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی) توحید پر دلالت کرنے والی مذکورہ بالا (آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے سخت سزا ہے اور اللہ تعالیٰ غلبہ) اور قدرت (والے ہیں) کہ بدلہ لے سکتے ہیں اور (بدلہ لینے والے) بھی (ہیں) یعنی انتقام کا امکان اور وقوع دونوں باتیں ثابت ہیں۔

توحید کی تیسری دلیل

www.askfatwa.com

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝٥ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٦

ترجمہ: بے شک اللہ نہیں چھپی ہے اس پر کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں، وہی ہے جو صورت دیتا ہے تم کو رحموں میں جس طرح چاہتا ہے، نہیں کوئی لائق عبادت مگر وہی۔ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: بے شک (اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے) نہ کوئی چیز (زمین میں اور نہ) کوئی چیز (آسمان میں) لہٰذا ان کا علم بھی نہایت کامل ہے (وہ ایسی ذات) پاک (ہے کہ تمہاری صورت) شکل (ماں کے پیٹ میں بناتا ہے، جس طرح چاہتا ہے) کسی کی کیسی صورت اور کسی کی کیسی صورت، لہذا ان کی قدرت بھی کامل ہے۔

حیات اور قیومیت اور علم اور قدرت جو بنیادی صفات میں سے ہیں ان میں کامل طور سے موجود ہیں اور اس درجہ کمال میں کوئی ان کے ساتھ شریک نہیں جس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی بھی کامل صفات والا نہیں لہٰذا (اس کی پاک ذات کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور (وہ غلبہ والے ہیں) منکر توحید سے انتقام لے سکتے ہیں لیکن (حکمت والے) بھی (ہیں) کہ مصلحت سے دنیا میں ڈھیل دے رکھی ہے۔

ربط: توحید کے دلائل ذکر کر کے اللہ کی آیتوں کے انکار کرنے والوں کی ایک اور خصلت ذکر کرتے ہیں کہ وہ کتاب الٰہی کی متشابہ آیتوں کے درپے ہوتے ہیں تاکہ غلط مطلب بنا کر فتنہ و گمراہی پھیلائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ایک واقعہ پیش بھی آیا کہ نجران کے کچھ عیسائی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مذہبی گفتگو شروع کی۔ آپ ﷺ نے اپنی گفتگو میں تثلیث کے ابطال پر اللہ تعالیٰ کی صفات حی اور قیوم وغیرہ سے استدلال فرمایا جس کو انہیں تسلیم کرنا پڑا۔ ان میں سے بعض عیسائیوں نے لفظ روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے جو کہ قرآن میں واقع ہوئے ہیں ان کا غلط مطلب بناتے ہوئے استدلال کیا۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۖ

www.askfatwa.com

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا
اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ
رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷

ترجمہ: وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب۔ اس میں بعض آیتیں ہیں محکم (یعنی ان کے معنی واضح ہیں) وہ اصل مدار ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں متشابہ (یعنی جن کے معنی معلوم یا معین نہیں) سو وہ لوگ کہ ان کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی طلب میں فتنہ (گمراہی) پھیلانے کے اور طلب میں اس کے (غلط) مطلب کے حالانکہ اس کا مطلب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔

اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم یقین لائے اس پر، سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور (سمجھانے سے) نہیں سمجھتے مگر عقل والے۔

تفسیر: (وہ) اللہ تعالیٰ (ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو۔ اس کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو کہ محکم ہیں) یعنی ان کے معنی و مراد واضح ہیں (اور یہی آیتیں اصل مدار ہیں کتاب) یعنی قرآن (کا) اس لئے جن آیتوں کے معنی ظاہر نہ ہوں ان کو بھی محکم یعنی ظاہر المعنی آیات کے موافق ہی سمجھا جائے گا (اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو کہ متشابہ ہیں) جن کے معنی معلوم یا معین نہیں ہیں۔ (سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس) قرآن (کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے، گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور غلط مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے) تاکہ اپنے غلط عقیدہ میں اس سے فائدہ حاصل کریں جیسا کہ عیسائیوں نے تثلیث کو ثابت کرنے کے لیے قرآن کے متشابہ الفاظ سے استدلال کیا (حالانکہ اس کا صحیح مطلب حق تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا)۔

اور اسی واسطے (جو لوگ علم) دین (میں پختہ کار اور) فہیم ہیں (وہ ان کافروں اور فتنہ گروں کے برعکس ایسی آیتوں کے متعلق یوں کہتے ہیں کہ ہم ان پر) اجمالا (یقین رکھتے ہیں سب) آیتیں خواہ وہ محکم ہوں یا متشابہ ہوں (ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں) پس ان کے جو کچھ معنی اور مراد فی الواقع ہوں وہ حق ہیں (اور نصیحت کی بات) جو یہ ہے کہ متشابہات کے مطلب کے درپے نہ ہوں لیکن اس (کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں) یعنی عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مفید اور ضروری بات میں

مشغول ہو نقصان دہ اور فضول باتوں میں نہ لگے۔

متشابہ کی تعریف: کسی متشابہ لفظ یا آیت کی تعریف یہ ہے کہ اس کی مراد سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو یقینی طور سے معلوم نہ ہو۔

متشابہ کی اقسام: متشابہ کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کا لغوی مطلب بھی کسی کو معلوم نہ ہو جیسے حروف مقطعات دوسرے یہ کہ اس کا لغوی مطلب تو معلوم ہو مگر عقل یا نقل وہ معنی مراد لینے سے مانع ہو۔ پھر اس دوسری قسم کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کا لغوی مطلب صرف ایک ہو جیسے اللہ کے لیے سمع، بصر اور کلام وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک کا معنی ایک ہی ہے متعدد نہیں دوسرے یہ کہ اس کے لغوی مطلب متعدد ہوں یعنی ایک سے زیادہ ہوں مثلاً دہر۔ پھر متعدد ہونے کی صورت میں یا تو کسی قطعی یا ظنی دلیل سے کسی ایک معنی و مطلب کو ترجیح حاصل ہوگئی ہو یا حاصل نہ ہوئی ہو۔

متشابہ کے احکام: (1) حروف مقطعات میں سب کا مذہب یہی ہے کہ قطعی و یقینی معنی کے اعتبار سے ان میں تفویض واجب ہے یعنی ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ ان کا یقینی علم اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

(2) جن کا لغوی مطلب صرف ایک ہو مثلاً سمع، بصر اور کلام جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں۔ سب کے نزدیک ان کا لغوی مطلب یعنی سننا، دیکھنا اور بولنا بتانا جائز ہے مگر اس قید کے ساتھ کہ ہمارا جیسا سننا نہیں اور ہمارا جیسا دیکھنا نہیں اور ہمارا جیسا بولنا نہیں۔ یعنی جس طرح ہم سننے دیکھنے اور بولنے کیلئے کان' آنکھ اور زبان کے محتاج ہیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے محتاج نہیں۔

(3) جس کے لغوی مطلب متعدد ہوں ان میں اگر کسی معنی کو ترجیح نہ ہو نہ قطعی دلیل سے اور نہ ہی ظنی دلیل سے تو اس کے ترجمہ وتفسیر کرنے میں بھی سکوت واجب ہے اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں میں دہر ہوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں نہیں جانتا دہر سے کیا مراد ہے۔

اور جس میں کسی ایک معنی کو ترجیح دی جا سکتی ہو:

(ا) پھر بھی اس کو اصل لفظ سے ہی تعبیر کریں تو بہتر ہے البتہ احتیاط کے طور پر ابہام کو دور کرنے کے لئے یہ قید یعنی ''جو اس کی شایان شان ہے'' بڑھا دی جائے۔ مثلاً **اِسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ** جب کہ استواء کے لفظ سے ہی اس کو تعبیر کریں۔ تو یوں کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش پر استوا کیا جس طرح اس کی شایان شان ہے۔

(ب) اور اگر اصل لفظ چھوڑ کر ترجیح دیے گئے معنی لیے جائیں تو اس میں دو مسلک ہیں۔

i- **سلف کا مسلک:** یہ ہے کہ اس سے حقیقی لغوی معنی ہی مراد لئے جائیں مثلاً استواء کے حقیقی لغوی

معنی جو اللہ تعالیٰ کے لیے مراد لیے جا سکتے ہیں۔ استقرار، بلند ہونا اور توجہ کرنا ان کے ساتھ بھی ہمارا جیسا استقرار نہیں اور ہمارا جیسا بلند ہونا نہیں اور ہمارا جیسا متوجہ ہونا نہیں کی قید بھی لگے گی۔

ii- متاخرین کا مسلک: یہ ہے کہ اصل مسلک تو وہی ہے جو سلف کا ہے لیکن وہ لوگ جن کی عقلیں کمزور ہیں اور حقیقی لغوی معنی کو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق سمجھنے میں ان کو دشواری اور تشویش ہوتی ہے تو ان کی تشویش کو دور کرنے کے لئے اس کے حقیقی معنی کے بجائے اس کا مجازی یا کنائی مطلب لیتے ہیں مثلا استواء کا مجازی معنی ''غلبہ'' ہے اس کو لینا۔

فائدہ: پس روح اللہ اور کلمۃ اللہ بھی ایسے ہی متشابہ کلمات میں سے ہیں۔ البتہ عقلی اور شرعی قواعد پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مراد کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذی روح ہیں اور ان کے وجود کا سبب اللہ تعالیٰ کا امر اور کلمہ (کن) ہے۔

ربط: آگے ان حق پرستوں کا دوسرا کمال ذکر ہے کہ علمی کمال رکھنے کے باوجود اس پر مغرور نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ سے حق پر استقامت کی دعا کرتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۹

ترجمہ: ''اے ہمارے رب نہ ٹیڑھا کر ہمارے دلوں کو بعد اس کے جب ہدایت کر چکا تو ہم کو اور عطا کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت۔ بے شک تو ہی ہے سب کچھ دینے والا۔ اے ہمارے رب بے شک تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن میں نہیں ہے کچھ شبہ جس میں، بے شک اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ کا۔

تفسیر: (اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے، اس کے بعد کہ آپ ہم کو) حق کی طرف ہدایت کر چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت) خاصہ (عطا فرمائیے) وہ رحمت یہ ہے کہ ہم راہ مستقیم پر قائم رہیں (بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں، اے ہمارے پروردگار!) ہم کجی سے بچنے کی اور حق پر قائم رہنے کی دعا کسی دنیاوی غرض سے نہیں مانگتے، بلکہ محض آخرت کی نجات کے واسطے مانگتے ہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ (آپ بلاشبہ تمام آدمیوں کو) میدان حشر میں (جمع کرنے والے ہیں

اس دن میں جس) کے آنے (میں ذرا شک نہیں) یعنی قیامت کے دن میں اور شک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے آنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خلاف نہیں کرتے وعدہ کا) اس

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ
لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾
كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ
فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

لئے قیامت کا آنا ضرور ہے اور اس وجہ سے ہم کو اس کی فکر ہے۔

ربط: آگے کافروں اور منکرین توحید کا بدانجام بتاتے ہیں کہ دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں جہنم میں جائیں گے جیسا کہ پہلے کافروں کے انجام ہوا۔

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہرگز کام نہ آئیں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی اور وہی ہیں ایندھن دوزخ کے (ان کا معاملہ ایسا ہے) جیسے معاملہ فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے۔ جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو تو پکڑا ان کو اللہ نے بوجہ ان کے گناہوں کے اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔ کہہ دے کافروں کو کہ جلد تم مغلوب ہوگے اور جمع کئے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور کیا برا ہے ٹھکانا۔

تفسیر: (بلاشبہ جو لوگ کفر کرتے ہیں ہرگز ان کے کام نہیں آسکتے ان کے مال) دولت (اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ذرہ برابر بھی۔ ایسے لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے) ان لوگوں کا معاملہ ایسا ہے (جیسا معاملہ تھا فرعون والوں کا اور ان سے پہلے والے) کافر (لوگوں کا)۔ وہ معاملہ یہ تھا (کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو) یعنی اخبار و احکام کو (جھوٹا بتلایا، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی ان کے گناہوں کے سبب اور اللہ تعالیٰ) کی گرفت بڑی سخت ہے، کیونکہ ان کی شان یہ ہے کہ وہ (سخت سزا دینے والے ہیں)۔ اس طرح معاملہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی، سو ان کو بھی ایسی ہی سزا ہوگی اور (ان کفر کرنے والے لوگوں سے) یوں بھی (فرما دیجئے کہ) تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ پکڑ صرف آخرت میں ہوگی، بلکہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ ہوگی، چنانچہ دنیا میں

www.askfatwa.com

(عنقریب تم) مسلمانوں کے ہاتھ سے (مغلوب کیئے جاؤ گے اور) آخرت میں (جہنم کی طرف جمع کر کے لے جائے جاؤ گے اور) جہنم کیا ہی (برا ٹھکانا ہے)۔

فائدہ: آیت میں کفار سے مراد خاص کفار ہیں جن سے یہ خطاب ہوا تھا چنانچہ مشرکین پر قتل

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

اور قید کی مصیبت آئی اور یہود کو قتل و قید کے ساتھ جزیہ اور جلاوطنی کی بھی سزا ہوئی۔

ربط: اوپر کفار کے مغلوب ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ آگے اس کی ایک مثال بطور دلیل کے بیان فرماتے ہیں۔

ترجمہ: بے شک گذر چکا ہے تمہارے سامنے بڑا نمونہ دو فوجوں میں جو ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں، ایک فوج لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری فوج کافر ہے۔ دیکھتے ہیں یہ اپنے کو مسلمانوں سے دو چند صریح آنکھوں سے اور اللہ قوت دیتا ہے اپنی مدد سے جس کو چاہے، بے شک اس میں عبرت ہے دیکھنے والوں کے لئے۔

تفسیر: (بے شک تمہارے) استدلال کے (لئے بڑا نمونہ گذر چکا ہے دو گروہوں) کے واقعہ (میں جو کہ باہم) بدر کی لڑائی میں (ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے، ایک گروہ) یعنی مسلمان تو (اللہ کی راہ میں لڑتے تھے اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے) اور کافر تعداد میں اس قدر زیادہ تھے کہ (یہ کافر اپنے گروہ (کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصے) زیادہ (ہیں) اور دیکھنا بھی کچھ وہم و خیال کا نہیں بلکہ (کھلی آنکھوں دیکھنا) جس کے واقعی ہونے میں شبہ نہیں تھا لیکن کفار کے اس قدر زیادہ تعداد میں ہونے کے باوجود پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غالب کیا (اور) غالب اور مغلوب کرنا محض قبضہ خداوندی میں ہے (اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے جس کو چاہتے ہیں قوت دیتے ہیں) سو (بلاشک اس) واقعہ (میں بڑی عبرت ہے) اور نمونہ (ہے دیکھنے والوں کے لئے)۔

فائدہ: جنگ بدر میں مسلمان تین سو تیرہ تھے اور کفار ایک ہزار تھے یعنی تین گنا سے بھی زیادہ تھے۔ اس آیت میں اسی کثرت کو بیان فرمایا ہے کہ کفار آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے کہ ہماری جماعت

www.askfatwa.com

زیادہ ہے مگر پھر بھی انجام دیکھ لیا کہ مسلمان ہی غالب رہے۔ اس سے ہر منصف عاقل استدلال کرسکتا ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ
وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ
وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ
حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ
اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ ۚ
اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ
النَّارِ ﴿۱۶﴾ ۚ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَ
الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے دین کو غالب کرنا چاہتے ہیں تو کفار کی کثرت اور مالداری اس کو روک نہیں سکتی۔

ربط: کافروں اور مومنوں کا مزید موازنہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ کافروں نے اپنی محبت دنیا کی چیزوں میں لگائی ہوئی ہے جب کہ مومنوں نے آخرت کی چیزوں میں لگائی ہوئی ہے۔

ترجمہ: خوشنما کردی گئی ہے لوگوں کیلئے محبت مرغوب چیزوں کی جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور مویشی اور کھیتی۔ یہ سامان ہے دنیا کی زندگی کا اور اللہ ہی کے پاس ہے خوبی انجام کی۔ کہہ دے کیا بتاؤں میں تم کو بہتر اس سے۔ پرہیزگاروں کے لئے انکے رب کے ہاں باغ ہیں جاری ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور بیویاں ہیں ستھری کی ہوئی اور رضامندی ہے اللہ کی اور اللہ نگاہ رکھے ہوئے ہیں بندوں پر۔ وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لے آئے سو بخش دے ہم کو گناہ ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے (اور) صبر کرنیوالے ہیں اور سچے ہیں اور حکم بجالانے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور گناہ مغفرت طلب کرنے والے ہیں

پچھلی رات میں۔

تفسیر: (خوشنما معلوم ہوتی ہے) اکثر (لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی) مثلاً (عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے، جمع کئے ہوئے خزائے ہوئے سونے اور چاندی کے، نشان لگے ہوئے گھوڑے ہوئے) یا دوسرے (مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی) لیکن (یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگانی کی اور انجام کی خوبی) کی چیز (تو اللہ ہی کے پاس ہے) جو موت کے بعد کام آئے گی جس کی تفصیل اگلی آیت میں آتی ہے (آپ) ان لوگوں سے یہ (فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتا دوں جو) بدرجہا (بہتر ہو ان) مذکورہ (چیزوں سے) سو سنو (ایسے لوگوں کے لئے جو) اللہ تعالیٰ سے (ڈرتے ہیں ان کے مالک) حقیقی (کے پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان) باغوں (میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے) اور ان کے لئے (ایسی بیویاں ہیں جو) ہر طرح سے یعنی جسمانی گندگیوں سے بھی اور اخلاقی عیوب سے بھی پاک اور (صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور) ان کے لئے (خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے) بھالتے (ہیں بندوں) کے حال (کو) اس لئے ڈرنے والوں کی یہ نعمتیں دیں گے، جن کی بعض صفات یہ ہیں کہ یہ (ایسے لوگ) ہیں (جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے) اور وہ لوگ (صبر کرنے والے ہیں اور سچے ہیں اور) اللہ تعالیٰ کے سامنے (اطاعت گزاری کرنے والے ہیں اور) نیک کاموں میں مال کے (خرچ کرنے والے ہیں اور اخیر شب میں) اٹھ اٹھ کر (گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں)۔

فائدہ: 1- یہ جو فرمایا کہ ان چیزوں کی محبت خوشنما معلوم ہوتی ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ محبت و میلان اکثر حالات میں لغزش کا باعث ہو جانے کی وجہ سے ڈر کی چیز تھی مگر اکثر لوگ اس کو ضرر کا سبب نہیں جانتے بلکہ اس کو ہر حال میں اچھا سمجھتے ہیں۔

2- یہ جو کہا کہ ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے یہ اس وجہ سے ہے کہ ایمان کے بغیر مغفرت نہیں ہوتی۔

ربط: کافروں اور مومنوں کا موازنہ کرنے کے بعد آگے بتاتے ہیں کہ توحید تو ایسی کائناتی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں ہے اور چونکہ اسلام اصل توحید کی تعلیم دیتا ہے لہٰذا عالم میں بس وہی حق مذہب ہے۔ اب پھر توحید کے مضمون کی طرف لوٹتے ہیں اور اس کے بعد کی آیتوں میں بالترتیب یہ باتیں ذکر کیں (1) اسلام کے حق ہونے کی تصریح اور (2) اہل کتاب کی حجت بازی کا جواب۔ پھر (3) حق کے قبول نہ کرنے والوں کی مذمت پر تتمہ کے طور پر اہل اسلام کے غلبہ کی پیشین گوئی اور اس کے مستبعد سمجھنے کو

www.askfatwa.com

قدرت کاملہ کے اثبات کے ساتھ دور کرنا پھر (5) مومنین کو کفار کی دوستی سے ممانعت پھر (6) توحید کا

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ﴿۱۸﴾

رسول کے اتباع کے بغیر معتبر نہ ہونا پھر (7) رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور محبوبیت کی تائید کے لئے چند مقبولین کے قصے۔

توحید کائناتی حقیقت ہے

ترجمہ: گواہی دی اللہ نے کہ نہیں کوئی لائق بندگی مگر وہی اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی (گواہی دی۔ اس شان سے کہ) وہی قائم کرنے والا ہے عدل کا۔ نہیں کوئی لائق بندگی مگر وہی۔ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: (گواہی دی ہے اللہ تعالیٰ نے) کتب سماویہ میں (اس) مضمون (کی کہ سوائے اس ذات) پاک (کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی) اپنے ذکر و تسبیح میں اس کی گواہی دی ہے کیونکہ ان کے اذکار توحید سے بھرے ہوئے ہیں (اور) دوسرے (اہل علم نے بھی) اپنی تقریرات وتحریرات میں اس کی گواہی دی ہے جیسا کہ ظاہر ہے (اور معبود بھی وہ اس شان سے ہیں کہ) ہر چیز کا (عدل و اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں) یعنی وہ ایسے نہیں کہ صرف اپنی تعظیم وعبادت ہی کراتے ہوں بلکہ وہ سب کے کام بھی بناتے ہیں اور ایک مرتبہ پھر کہا جاتا ہے کہ (ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

فائدہ: یہ نقلی دلیل خاص اہل کتاب کے مقابلہ میں ہے جو نقلی دلائل کے منکر نہ تھے۔ رہے توحید

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

www.ashrafatwa.com

کے عقلی دلائل تو وہ اور دوسرے مواقع پر مذکور ہیں۔

1- اسلام چونکہ اصل توحید پر مشتمل ہے لہٰذا صرف وہی حق مذہب ہے۔

اور اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کا اصل دین بھی خالص توحید پر مشتمل تھا لیکن اہل کتاب نے اپنی ضد سے ان میں توحید کے مخالف خرابیاں پیدا کیں۔

ترجمہ: بے شک دین (جو ہے) اللہ کے یہاں (سو یہی) اسلام ہے اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جو دیئے گئے کتاب مگر اس کے بعد کہ آ چکا ان کے پاس علم، ضد کی وجہ سے آپس میں اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا تو اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

تفسیر: (بلاشبہ) حق اور مقبول (دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے) کیونکہ صرف وہی اصل توحید پر مشتمل ہے (اور) اس کے حق ہونے میں اہل اسلام کے ساتھ (اہل کتاب نے جو اختلاف کیا) اس طرح سے کہ اسلام کو باطل کہا (تو ایسی حالت کے بعد کہ ان کو) اسلام کے حق ہونے کی (دلیل پہنچ چکی تھی، محض آپس کی ضد اور حسد کی وجہ سے یعنی اسلام کے حق ہونے میں شبہ کی کوئی وجہ نہیں ہوئی بلکہ ان میں باہمی ضد اور حسد کی وجہ سے) یعنی دوسروں سے بڑا بننے کا مادہ ہے اور اسلام لانے میں یہ سرداری جو ان کو اب عوام پر حاصل ہے فوت ہوتی تھی اس لئے اسلام کو قبول نہیں کیا بلکہ الٹا

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۠ ﴿۲۰﴾

اس کو باطل بتانے لگے (اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا) جیسا ان لوگوں نے کیا (تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد) اس کا (حساب لینے والے ہیں) اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے حساب کا انجام عذاب ہوگا۔

(2) ہدایت کا انحصار حقیقی توحید میں ہے جو اب صرف اسلام میں ہے

ترجمہ: پھر (بھی) اگر وہ جھگڑیں تجھ سے تو کہہ دے میں نے تابع کیا اپنا چہرہ اللہ کے لئے اور (انہوں نے بھی کہ) جنہوں نے میری پیروی کی۔ اور کہہ دے ان کو جو دئے گئے کتاب اور ان پڑھوں کو کہ کیا تم بھی تابع ہوتے ہو۔ پھر اگر وہ تابع ہو جائیں تو انہوں نے

سیدھی راہ پائی اور اگر منہ موڑیں تو صرف تیرے ذمہ ہے پہنچا دینا اور اللہ نگاہ میں رکھے ہوئے ہیں بندوں کو۔

تفسیر: اسلام کی حقانیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد (پھر بھی اگر یہ لوگ آپ ﷺ سے خواہ مخواہ) کا جھگڑا کریں اور (حجتیں نکالیں تو آپ) جواب میں (فرما دیجئے کہ) تم مانو یا نہ مانو (میں تو اپنا رخ خاص اللہ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو ہیں وہ بھی) اپنا رخ خاص اللہ کی طرف کر چکے، یہ کنایہ ہے اس سے کہ ہم سب اسلام اختیار کر چکے، جس میں اعتقاد الوہیت کے اعتبار سے قلب کا رخ خاص اللہ ہی کی طرف ہوتا ہے، یعنی خالص توحید صرف اسی میں ہے، کیونکہ دوسرے مذاہب میں کچھ کچھ شرک شامل ہو گیا تھا (اور) اس جواب کے بعد اب سوال کے طور پر (کہئے اہل کتاب سے اور ان پڑھوں) یعنی مشرکین عرب (سے کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ سو اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں تو وہ لوگ بھی راہ) راست پر (آ جائیں گے اور اگر وہ لوگ) اس سے بدستور (روگردانی رکھیں سو) آپ اس کا بھی غم نہ کیجئے، کیونکہ (آپ کے ذمہ صرف) احکام خداوندی کا (پہنچا دینا ہے اور) آگے (اللہ تعالیٰ خود دیکھ) اور سمجھ (لیں گے) اپنے (بندوں کو) آپ ﷺ سے کوئی باز پرس نہیں ہے۔

فائدہ: یہ خیال ہو کہ منکرین کے مقابلہ میں اتنا کہہ دینا کب کافی ہو سکتا ہے کہ اگر تم نہیں مانتے تو میں تو مان چکا ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہر منکر کے مقابلہ میں نہیں فرمایا گیا بلکہ خاص ان منکرین کے مقابلہ میں جن کا انکار کسی شبہ سے نہ تھا بلکہ دلائل قائم ہونے کے بعد محض عناد اور عداوت سے تھا۔ جب ان کو کوئی شبہ نہیں تو ان کے سامنے دلائل کو مکرر بیان کرنا بے کار ہے۔ اس وقت یہی آخری جواب ہے کہ خیر تم نہیں مانتے تو نہ مانو ہم تو مان چکے۔

www.askfatwa.com

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٢﴾

(3) توحید اور اسلام کو قبول نہ کرنے والوں میں سے یہود کی کچھ خصلتیں اور ان کا

انجام ذکر کرتے ہیں۔

i- انبیاء واولیاء کو قتل کرنا

اس آیت کی تفسیر میں خود حضور ﷺ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو ایک وقت میں قتل کیا، ان کی نصیحت کے لئے ایک سو ستر بزرگ کھڑے ہوئے، اسی دن ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

ترجمہ: بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان کو جو حکم کرتے ہیں عدل کرنے کا لوگوں میں سے سو خوشخبری سنا دے ان کو عذاب دردناک کی۔ یہی ہیں کہ ضائع ہوئے عمل ان کے دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کا کوئی مددگار۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ) جیسے یہود کہ انجیل اور قرآن کو نہیں مانتے تھے (اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو) اور وہ قتل کرنا خود ان کے خیال میں بھی (ناحق)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا
نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ
يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن
تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا
يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ
كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

ہوتا ہے (اور) نیز (قتل کرتے ہیں ایسے شخصوں کو جو) افعال واخلاق کے (عدل واعتدال کی تعلیم دیتے ہیں، سو ایسے لوگوں کو خبر سنا دیجئے ایک دردناک سزا کی) اور (یہ وہ لوگ ہیں کہ) مذکورہ افعال کے مجموعہ کے سبب سے (ان کے سب اعمال) صالحہ (غارت ہو گئے دنیا میں) بھی (اور آخرت میں) بھی (اور سزا کے وقت (ان کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا)

فائدہ: دنیا میں غارت ہونا یہ ہے کہ ان کے ساتھ اہل اسلام کا سا معاملہ نہ ہوگا اور آخرت میں

یہ کہ ان کی مغفرت نہ ہوگی۔

ii- یہود کا کتاب الٰہی سے اعراض اور جھوٹے زعم میں مبتلا ہونا

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو دیئے گئے ایک حصہ کتاب کا وہ بلائے جاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تا کہ وہ (کتاب) حکم کرے ان کے درمیان پھر منہ پھیرتے ہیں بعضے ان میں سے اس حال میں کہ وہ اعراض کرتے ہیں۔ یہ اس واسطے ہے کہ وہ کہتے ہیں ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو آگ (دوزخ کی) مگر چند دن گنتی کے اور دھوکہ دیا ان کو ان کے دین میں ان باتوں نے جو وہ گھڑتے تھے۔ پھر کیا حال ہوگا جب ہم جمع کریں گے ان کو ایک دن میں کہ کچھ شبہ نہیں ہے اس (کے آنے) میں اور پورا دیا جائے گا ہر کوئی جو اس نے کیا اور وہ ظلم کئے جائیں گے۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جن کو کتاب) سماوی یعنی تورات (کا ایک) کافی (حصہ دیا گیا) کہ اگر ہدایت کے طالب ہوتے تو وہ حصہ اس غرض کی تکمیل کے لئے کافی تھا۔ اور اس کو ایک حصہ اس وجہ سے کہا کہ باقی میں لفظی یا معنوی تحریف ہو چکی تھی (اور اسی کتاب اللہ کی طرف اس غرض سے ان کو بلایا بھی جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان) مذہبی اختلاف کا (فیصلہ کر دے۔ پھر) بھی (ان میں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں بے رخی کرتے ہوئے) اور (یہ) بے اعتنائی (اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں) اور یہی ان کا اعتقاد ہے (کہ ہم کو صرف گنتی کے تھوڑے دنوں تک دوزخ کی آگ لگے گی) پھر مغفرت ہو جائے گی (اور ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان کے دین

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ
الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَ
تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ
وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ
تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

کے بارے میں ان کی تراشی ہوئی باتوں نے) جیسے اسی تراشے ہوئے عقیدہ نے ان کو دھوکہ دیا کہ ہم

انبیاء کی اولاد ہیں اوراس خاندانی بزرگی کی وجہ سے ہماری نجات ضرور ہو جائے گی، اس کے نتیجہ میں وہ کتاب اللہ سے مزید بے اعتنائی کرنے لگے (سو) ان کفریہ احوال وافعال واقوال کے سبب (ان کا کیا) برا (حال ہوگا جب کہ ہم ان کو اس دن میں جمع کرلیں گے جس) کے آنے (میں ذرا شبہ نہیں اور) اس دن میں (پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے دنیا میں کیا تھا اور ان لوگوں پر) بدلہ کے وقت بالکل (ظلم نہ کیا جائے گا) کہ نہ تو حق میں کوئی کمی کی جائے گی اور نہ بلا جرم یا جرم سے زیادہ سزا ہوگی۔

(4) آگے دعا کے عنوان سے اہل اسلام کے غلبہ کی پیشین گوئی اوراس بات کا اظہار کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے

ترجمہ: تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو دیتا ہے سلطنت جس کو تو چاہے اور چھین لیتا ہے سلطنت جس سے تو چاہے اور تو عزت دیتا ہے جس کو تو چاہے اور تو ذلیل کرتا ہے جس کو تو چاہے۔ تیرے ہاتھ میں ہے سب خیر۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور تو داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور تو نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور تو رزق دیتا ہے جس کو تو چاہتا ہے بے شمار۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ) اللہ تعالیٰ سے (یوں کہیئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک) کا جتنا حصہ چاہیں (جس کو چاہیں دیدیتے ہیں اور جس) کے قبضہ (سے چاہیں ملک) کا حصہ (لے لیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی، بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں،) لہٰذا آپ ہمیں مغلوبیت کی حالت سے نکال کر غلبہ کی حالت عطا فرمائیے اور یہ آپ کے لیے کچھ مشکل نہیں کیونکہ آپ تو بڑے بڑے حالات بدل دیتے ہیں مثلاً (آپ) بعض موسموں میں (رات) کے اجزاء (کو دن میں داخل کر دیتے ہیں) جس سے دن بڑا ہونے لگتا ہے (اور) بعض موسموں میں (دن) کے اجزاء (کو رات میں داخل کر دیتے ہیں) جس سے رات بڑھنے لگتی ہے (اور آپ جان دار چیز کو بے جان سے نکال لیتے ہیں) جیسی انڈے سے بچہ (اور بے جان چیز کو جان دار سے نکال لیتے ہیں) جیسے (پرندہ سے) انڈہ

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ
شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ

إِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿٢٨﴾ قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ
يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ
مُّحْضَرًا ۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ ۛ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا
بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾

(اور آپ جس کو چاہتے ہیں بے شمار رزق عطا فرماتے ہیں) تو آپ ہم کمزوروں کو بھی افرادی، مادی اور روحانی قوت میں بڑھا دیجئے۔

فائدہ: خیر اور بھلائی کی تخصیص اس لئے مناسب ہوئی کہ یہاں خیر کا مانگنا مقصو ہے۔

ربط: اوپر دعا کے رنگ میں جب یہ اشارہ دیا کہ مسلمانوں کو غلبہ وسلطنت حاصل ہوگی تو آگے اس کی مناسبت سے چند ہدایات دیتے ہیں۔

i- کافروں سے دوستی کا معاملہ بالکل نہ رکھو

کیونکہ جب کفار کی قباحتیں مثلاً آیات کا انکار اور اللہ و رسول سے عداوت وغیرہ معلوم ہو چکی تو ایسے قبیح اور برے اور خدا ورسول کے دشمنوں سے دوستی کہاں مناسب ہے۔

ترجمہ: نہ بنائیں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی کرے یہ کام تو وہ نہیں ہے اللہ سے (دوستی رکھنے میں) کسی شمار میں مگر یہ کہ کرتے ہو تم ان سے بچاؤ۔ اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنے سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ تو کہہ اگر تم چھپاؤ گے جو بات تمہارے سینوں میں ہے یا تم ظاہر کرو گے اس کو جانتا ہے اس کو اللہ اور جانتا ہے وہ جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس دن پائے گا ہر شخص جو کچھ کہ کی ہے اس نے نیکی اپنے سامنے پیش کی ہوئی اور جو کچھ کہ کی ہے اس نے برائی۔ آرزو کرے گا کہ کاش ہو اس کے درمیان اور اس دن کے درمیان مسافت دور کی اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنے سے اور اللہ بہت مہربان ہے بندوں پر۔

تفسیر: (مسلمانوں کو چاہئے کہ) ظاہری یا دلی طور سے (کفار کو دوست نہ بنائیں مسلمانوں) کی دوستی (سے تجاوز کر کے)۔ یہ تجاوز دو صورت سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں سے بالکل دوستی نہ

www.askfatwa.com

رکھیں ، دوسری یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی دوستی ہو اور کفار کے ساتھ بھی ، دونوں صورتیں ممانعت میں داخل ہیں (اور جو شخص ایسا) کام (کرے گا سو وہ اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں) کیونکہ کیونکہ اللہ اور کافروں کے درمیان دشمنی ہے اور عام قاعدہ ہے کہ جن دو شخصوں میں باہم عداوت ہو ایک سے دوستی کر کے دوسرے سے دوستی کا دعویٰ قابل اعتماد نہیں ہوسکتا (مگر ایسی صورت میں) ظاہری دوستی کی اجازت ہے (کہ تم ان) کے شر اور ضرر (سے) اس طریقے سے (بچاؤ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی) عظیم الشان (ذات سے ڈراتا ہے) کہ اس کی ذات سے ڈر کر احکام کی مخالفت مت کرو (اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) اس وقت کی سزا کا خوف کرنا ضروری ہے (آپ) ﷺ ان سے (فرما دیجئے کہ اگر تم) دل ہی دل میں (پوشیدہ رکھو گے اپنا ما فی الضمیر یا اس) کو زبان و جوارح سے (ظاہر کر دو گے اللہ تعالیٰ اس کو) ہر حال میں (جانتے ہیں اور) اسی کی کیا تخصیص ہے (وہ تو سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے) کوئی چیز اگرچہ وہ کفار کے ساتھ دوستی ہی ہو ان سے مخفی نہیں (اور) علم کے ساتھ (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں) سو اگر تم کسی امر قبیح کا ارتکاب کرو گے خواہ ظاہری طور سے یا دل میں جس میں کفار کے ساتھ دوستی بھی شامل ہے تو وہ تم کو سزا دے سکتے ہیں (جس روز) ایسا ہوگا (کہ ہر شخص اپنے اچھے کئے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا اور اپنے برے کئے ہوئے کاموں کو) بھی پائے گا۔ اس روز (اس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا خوب ہوتا کہ اس شخص کے اور اس روز کے درمیان دور دراز کی مسافت) حائل (ہوتی تاکہ اپنے اعمال بد کا معائنہ نہ کرنا پڑتا (اور) تم سے پھر مکرر کہا جاتا ہے کہ (خدا تعالیٰ تم کو اپنی) عظیم الشان (ذات) سے ڈراتے ہیں اور یہ ڈرانا اس وجہ سے ہے کہ (اللہ تعالیٰ) اپنے (بندوں) کے حال (پر نہایت مہربان ہیں) اور اپنی مہربانی سے اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ یہ سزائے آخرت سے بچے رہیں اور بچنے کا طریقہ ہے اعمال بد کا ترک کرنا جو عام طور سے ڈرانے کے بغیر نہیں ہوتا اس لئے ڈراتے ہیں۔ تو یہ ڈرانا عین شفقت و رحمت ہے۔

فائدہ: کفار کے ساتھ حسن سلوک میں تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں (1) موالات یعنی دلی دوستی (2) مدارات یعنی ظاہری دوستی و خوش خلقی (3) مواسات یعنی احسان و نفع رسانی۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾

ان معاملات میں یہ تفصیل ہے۔

1- موالات تو کسی حال میں جائز نہیں۔

2- مدارات تین حالتوں میں درست ہے۔ ایک دفع ضرر کے واسطے۔ دوسرے اس کافر کی دینی مصلحت یعنی ہدایت کی توقع کے واسطے۔ تیسرے کافر مہمان کے اکرام کے طور پر۔

اپنی مصلحت و منفعت مال یا جاہ کے لئے یہ درست نہیں اور بالخصوص جب کہ اس میں اپنے دینی ضرر کا خوف ہو تو بدرجہ اولی یہ ظاہری دوستی اور میل جول حرام ہے۔

3- مواسات کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب یعنی کفار کے ملک والے کافر کے ساتھ یہ ناجائز ہے اور ذمی کے ساتھ جائز ہے۔

ii- اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت کرو

ترجمہ: تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے تو اتباع کرو میرا محبت کرے گا تم سے اللہ اور بخشے گا گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، تو کہہ اطاعت کیا کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر اعراض کریں تو اللہ نہیں محبت کرتا کافروں سے۔

تفسیر: (آپ) لوگوں سے (فرما دیجئے) کہ اے مسلمانو! (اگر تم) بزعم خود (خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو) اور محبت رکھنے کی وجہ سے یہ بھی چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے اور تم کو دنیا میں سرفراز فرمائے (تو تم لوگ) اس مقصد کے لئے اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ بھی کرو اور پوری طرح (میرا اتباع کرو) کیونکہ اسی کی خاطر مجھے تمہارے لئے نمونہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جب تم ایسا کرو گے

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ
إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ
وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾

(خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور) تمہیں دنیا میں بھی غلبہ و سرفرازی عطا فرمائیں گے اور (تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ بڑے معاف کرنے والے اور بڑی عنایت فرمانے والے ہیں) اور (آپ یہ) بھی (فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ کی کہ اصل مقصود تو وہی ہے (اور) اطاعت کیا کرو (رسول کی) یعنی میری اطاعت اس حیثیت سے کرنا ضروری ہے کہ میں اللہ کا

www.asrfatwa.com

رسول ہوں انہوں نے میری معرفت اپنی اطاعت کے طریقے بتائے ہیں (پھر) اس پر بھی (اگر وہ لوگ) آپ کی کامل اطاعت واتباع سے (اعراض کریں سو) وہ سن رکھیں کہ عدم اتباع اور ترک اطاعت کافروں کا شیوہ ہے اور (اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے) لہٰذا تم اپنی کوتاہی عمل سے اللہ کے واقعی محبوب نہ بنو گے پھر تمہیں دنیا میں غلبہ وسرفرازی کیسے ملے گی۔

ربط: آگے بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کوئی نئے رسول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ترین بندوں کو رسول بنا کر بھیجتے آئے ہیں تاکہ ان کی امتیں عقیدہ وعمل میں ان کا کامل اتباع کریں۔

ترجمہ: بے شک اللہ نے منتخب کیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو سارے جہان پر۔ اولاد تھے ان کے بعض (دوسرے) بعض کی اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے''۔

تفسیر: (بے شک اللہ تعالیٰ نے) نبوت کے لئے (منتخب فرمایا) حضرت (آدم) علیہ السلام (اور) حضرت (نوح) علیہ السلام (کو اور) حضرت (ابراہیم) علیہ السلام (کی اولاد) میں سے بعضوں (کو) جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام۔ اور تمام

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ
لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾
فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ
اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

انبیاء بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، اور ہمارے رسول ﷺ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں (اور عمران کی اولاد) میں سے بعضوں (کو)۔ اگر یہ عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں تو اولاد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ہیں، اور اگر یہ عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والد ہیں تو اولاد سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں، غرض ان حضرات کو نبوت کے لئے (تمام جہان) کی مخلوقات پر منتخب فرمایا ہے (بعضے ان میں بعضوں کی اولاد ہیں) جیسے آدم علیہ السلام کی اولاد سب ہیں، اسی طرح نوح علیہ السلام کی اولاد سب ہیں اور حضرت

ابراہیم علیہ اسلام کی اولاد میں اولاد عمران بھی ہے (اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں) کہ سب کے قول سنتے ہیں سب کے احوال کو جانتے ہیں، بس جن کے اقوال و احوال کو محبوب اور شان نبوت کے مناسب جانا ان کو نبی بنا دیا۔

چند محبوب ترین حضرات 1- حضرت مریم علیہ السلام کا تفصیلی قصہ

ترجمہ: جب کہا عمران کی عورت نے کہ اے میرے رب میں نے نذر کیا تیرے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا سو تو قبول کر مجھ سے۔ بے شک تو ہی ہے اصل سننے والا جاننے والا۔ پھر جب جنا اس کو بولی اے میرے رب میں نے تو جنا اس کو لڑکی اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا۔ اور نہیں ہے لڑکا مثل اس لڑکی کے۔ اور میں نے نام رکھا اس کا مریم اور میں پناہ میں دیتی ہوں اس کو تیری اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے۔

تفسیر: وہ وقت بھی یاد (کرنے کے) قابل ہے (جب) حضرت مریم کے والد (عمران کی بیوی نے) حالت حمل میں حق تعالیٰ سے (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے نذر) یعنی منت (مانی ہے آپ) کی عبادت (کے لئے اس بچے کی جو میرے شکم میں ہے) کہ وہ خانہ خدا کی خدمت کے واسطے (آزاد) فارغ (کیا ہوا) اور میں اس کو اپنے کام میں نہ لگاؤں گی (سو آپ) اس کو (مجھ سے قبول کر لیجئے، بے شک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں) کہ میری عرض کو سن رہے ہیں اور میری نیت کو جان رہے ہیں۔ اس زمانہ میں نرینہ اولاد کے ساتھ ایسی نذر ماننا مشروع تھا۔ انہوں نے اس گمان سے نذر مانی تھی کہ شاید لڑکا پیدا ہو (پھر جب) ان خاتون نے (لڑکی جنی) تو ان کو رنج ہوا کہ یہ تو بیت المقدس کی خدمت کے لائق نہیں کیونکہ یہ کام تو مردوں کا ہے، اس لئے حسرت سے (کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار! میں نے تو حمل سے لڑکی جنی) حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے خیال سے حسرت کر رہی تھیں (حالانکہ خدا تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں اس) لڑکی کی شان (کو جو انہوں نے جنی اور) کسی طرح بھی (وہ لڑکا) جو انہوں نے چاہا تھا (اس لڑکی کے برابر نہیں) ہو سکتا تھا، بلکہ یہ لڑکی ہی افضل ہے کہ اس کے کمالات و برکات عجیب و غریب ہوں گے، یہ ارشاد خداوندی بطور جملہ معترضہ کے تھا، پھر ان خاتون کا قول ہے (اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو) اگر کبھی اولاد ہو (آپ کی پناہ) اور حفاظت (میں دیتی ہوں شیطان مردود سے)

فائدہ: مریم بمعنی عبادت گزار نام رکھنے کی تصریح میں یہ اشارہ ہے کہ میں اپنی نذر پر حتی الامکان قائم ہوں۔ اس لڑکی کو بھی مسجد کے لئے فارغ کر دوں گی اگر خدمت کے لئے نہیں تو عبادت کے لئے

سہی۔

غرض یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ان کو لے کر مسجد بیت المقدس میں پہنچیں اور وہاں کے مجاوروں اور عبادت گزاروں سے جن میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے، جا کر کہا کہ اس لڑکی کو میں نے خاص خدا کے لئے مانا ہے، اس لئے میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتی، سو اس کو لائی ہوں، آپ لوگ رکھئے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۚ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

حضرت مریم کے والد حضرت عمران اس مسجد کے امام تھے اور حالت حمل میں ان کی وفات ہو چکی تھی، ورنہ سب سے زیادہ مستحق ان کے لینے کے وہ تھے۔ چونکہ لڑکی کے باپ بھی تھے اور مسجد بیت المقدس کے امام بھی، اس لئے بیت المقدس کے مجاوروں اور عبادت گزاروں سے ہر شخص ان کو لینے اور پالنے کی خواہش رکھتا تھا، حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی ترجیح کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ میرے گھر میں ان کی خالہ ہیں اور وہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے، اس لئے ماں کے بعد وہی رکھنے کی مستحق ہے، مگر اور لوگ اس ترجیح پر راضی اور متفق نہیں ہوئے، آخر قرعہ اندازی پر اتفاق قرار پایا، اور قرعہ نکالنے کی صورت بھی عجیب وغریب خلاف عادت ٹھہری جس کا بیان آگے آئے گا، اس میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام کامیاب ہوئے۔

چنانچہ حضرت مریمؑ ان کو مل گئیں اور انہوں نے بعض روایات کے مطابق ایک انا کو نوکر رکھ کر دودھ پلوایا، پھر جب وہ کچھ بڑی ہو گئیں ان کو مسجد کے متعلق ایک عمدہ حجرہ میں لا کر رکھا، جب کہیں جاتے اس کو قفل لگا کر جاتے، پھر آ کر کھول لیتے، اسی قصہ کا ذکر مختصر آگے آتا ہے یعنی۔

ترجمہ: پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا قبول اور بڑھایا اس کو اچھی طرح بڑھانا اور سپرد کیا اسے زکریا کے۔ جب بھی آتے اس کے پاس زکریا حجرے میں پاتے اس کے پاس کچھ رزق۔ کہتے اے مریم کہاں سے آیا تیرے پاس یہ۔ وہ کہتی یہ اللہ کے پاس

www.askfatwa

سے (آتا) ہے بے شک اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے مشقت۔

تفسیر: (پس ان) مریم علیہا السلام (کو ان کے رب نے بطریق احسن قبول فرمالیا اور عمدہ طور پر ان کو نشوونما دیا اور) حضرت (زکریا) علیہ السلام کو (ان کا سرپرست بنایا) (جب کبھی) حضرت (زکریا) علیہ السلام (ان کے پاس) اس (عمدہ حجرہ میں) جس میں ان کو رکھا تھا (تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ رزق کی چیزیں پاتے) جو ظاہری میووں اور باطنی و روحانی معارف دونوں ہی پر مشتمل تھیں اور (یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں) جب کہ مکان مقفل ہے، باہر

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

سے کسی کے آنے جانے کا امکان نہیں (وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس) جو خزانہ غیب ہے اس میں (سے آئیں، بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں رزق عطا فرماتے ہیں) جیسا اس موقع پر محض فضل سے (بے مشقت) عطا فرمایا۔

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ عمدہ طور پر ان کو نشوونما دیا اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ابتدا سے عبادت وطاعت میں مشغول رکھا۔ دوسرے یہ کہ اور بچوں کی معمولی نشوونما سے ان کا ظاہری نشوونما زائد تھا۔

ربط: حضرت زکریا علیہ السلام کی اس وقت تک اولاد نہ تھی۔ خود بھی بوڑھے ہو چکے تھے اور بیوی بھی بانجھ تھیں۔ ایسے حالات میں عام طور سے اولاد نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ خرق عادت کے طور پر قدرت

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

خداوندی کا ان کو پورا یقین تھا کہ وہ ذات ان حالات میں بھی اولاد دے سکتی ہے لیکن خلاف عادت ہونے کی وجہ سے درخواست کی جرات نہ کرتے تھے۔ اب جو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت رزق

عطا فرمایا ہے تو اب آپ کو بھی سوال کی جرات ہوئی اس لئے درخواست پیش کی۔

2- حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ

ترجمہ: وہیں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے۔ کہا اے میرے رب عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ بے شک تو سننے والا ہے دعا کا۔

تفسیر: (اس موقع پر دعا کی) حضرت (زکریا) علیہ السلام (نے اپنے رب سے۔ عرض کیا کہ اے میرے رب عنایت کیجئے مجھ کو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی) یعنی بابرکت اور نیک کردار (اولاد بے شک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے) اور اس کو بعینہٖ قبول کرنے پر بھی پوری قدرت رکھتے ہیں۔

فائدہ: حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا چند جگہ مختلف مضامین کے ساتھ نقل ہے۔ تو ان کی دعا میں یہ سب ہی مضامین تھے پھر مقام کی مناسبت سے کوئی کہیں ذکر کر دیا اور کوئی کہیں۔

ربط: اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

ترجمہ: پھر آواز دی اس کو فرشتوں نے جب وہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا محراب کے اندر کہ اللہ خوش خبری دیتا ہے تجھ کو یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہے کلمہ کی جو اللہ کی طرف سے ہے اور سردار ہوگا اور نفس کو بہت روکنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے ہوگا۔

تفسیر: (پس پکار کر کہا ان سے فرشتوں نے جب کہ وہ محراب میں) یعنی مسجد میں امام کی جگہ پر (کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰ) نام کا بیٹا عطا ہونے (کی جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت (کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور) دوسرے (مقتدائے) دین (ہوں گے اور) تیسرے (اپنے نفس کو) لذات سے (بہت روکنے والے ہوں گے اور) چوتھے (نبی بھی ہوں گے) اور پانچویں (اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے)

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ
الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ
رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ
اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

فائدہ: 1- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ

یعنی حکم سے خلاف عادت بغیر باپ کے پیدا کیئے گئے۔

2- حصوراً، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ تیسری صفت بیان کی گئی کہ وہ اپنے نفس کو لذات سے بہت روکنے والے تھے اور لذات سے روکنے میں مباح خواہشوں سے بچنا بھی داخل ہے مثلاً اچھا کھانا، اچھا پہننا اور نکاح وغیرہ کرنا، اس صفت کو موقع مدح میں فرمانے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ افضل طریقہ یہی ہے، حالانکہ احادیث سے نکاح کی فضیلت ثابت ہے۔ تحقیق اس کی یہ ہے کہ جس شخص کی حالت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی سی ہو کہ اس پر آخرت کا خیال اس قدر غالب ہو کہ اس کے غلبہ کی وجہ سے نہ بیوی کی ضرورت محسوس کرے اور نہ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کی فرصت ہو، ایسے شخص کے لئے یہی افضل ہے، اسی وجہ سے جن احادیث میں نکاح کی فضیلت آئی ہے ان میں یہ بھی قید مذکورہ ہے: من استطاع منکم الباءۃ یعنی جو آدمی نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور زوجیت کے حقوق ادا کرسکتا ہو تو اس کے لئے نکاح کرنا افضل ہے ورنہ نہیں۔

3- فرشتوں کے ان کی نماز میں باتیں کرنے میں باوجودیکہ باتوں سے حضور قلب فوت ہو جاتا ہے اس وجہ سے مضائقہ نہ تھا کہ وہ پیغام خدا تعالیٰ کا تھا اس کی طرف توجہ عین حضور قلب ہے۔

ترجمہ: کہا اے رب میرے کس طرح ہوگا میرے لڑکا حالانکہ پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے فرمایا اسی طرح۔ اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ کہا اے رب میرے مقرر کر میرے لئے کچھ نشانی۔ فرمایا نشانی تیری یہ ہے کہ نہ بات کرے گا تو لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام اور صبح۔

تفسیر: حضرت (زکریا) علیہ السلام قدرت خداوندی کے معتقد بھی تھے اور نمونہ کا مشاہدہ بھی کر چکے تھے اور خود ہی درخواست کی تھی اور قبولیت کا علم بھی ہو گیا تھا اس لیے تجسس ہوا کہ ہمارے ہاں

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

لڑکا کس کیفیت سے ہوگا، آیا ہم دونوں میاں بیوی کی جو موجودہ حالت میں کہ دونوں خوب بوڑھے ہیں یہی حالت رہے گی یا اس میں کچھ تبدیلی کی جائے گی اس لیے انہوں (نے) جناب باری میں (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھاپا آ پہنچا اور میری بیوی بھی)

www.askfatwa.com

بڑھاپے کی وجہ سے (بچہ جننے کے قابل نہیں ہے، کیا ہماری اسی بڑھاپے کی حالت میں لڑکا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے) جواب میں (فرمایا کہ ایسی حالت میں ہی لڑکا ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کریں کر دیتے ہیں، انہوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار) تو پھر (میرے واسطے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے) جس سے مجھے معلوم ہو جائے کہ اب حمل ہو گیا اس سے خوشی بھی ہو اور شکر میں مشغول بھی ہو جاؤں (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری نشانی یہی ہے کہ تم، لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کر سکو گے۔ سوائے) ہاتھ یا سر وغیرہ کے (اشارہ کے) جب یہ نشانی دیکھو تو سمجھ جانا کہ اب گھر میں امید ہے (اور) اس زمانہ میں جب آدمیوں سے گفتگو کرنے کی قدرت نہ رہے ذکر اللہ پر قدرت رہے گی تاکہ تمہیں اپنی درخواست سے مقصود یعنی شکر کرتے رہو تو (اپنے رب کو) دل سے بھی (بکثرت یاد کرنا اور) زبان سے بھی (تسبیح تقدیس (کرنا دن ڈھلے بھی اور صبح کو بھی کیونکہ ذکر اللہ کی قدرت اس وقت بھی پوری رہے گی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ
نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ
يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

2- حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ

ترجمہ: اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم بلاشبہ اللہ نے منتخب کیا تجھ کو اور پاک بنایا تجھ کو اور منتخب کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں پر۔ اے مریم اطاعت کرتی رہ اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔

تفسیر: اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے (جب فرشتوں نے) حضرت مریم علیہا السلام سے (کہا اے مریم بلاشک اللہ تعالیٰ نے تم کو منتخب) یعنی مقبول (فرمایا ہے اور) تمام ناپسندیدہ افعال و اخلاق سے (پاک بنایا ہے اور) مقبول فرمانا کچھ ایک دو عورتوں کے اعتبار سے نہیں، بلکہ اس زمانہ کی (تمام جہان بھر کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب فرمایا ہے) اور فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ (اے مریم اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو) یعنی نماز پڑھا کرو (ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں) یعنی نماز پڑھنے والے ہیں۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کا کلام کرنا خواص نبوت میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کا سلام کرنا مروی ہے۔ نبوت کا خاصہ کلام الٰہی

ہے جوامت تک تبلیغ کے لئے نازل کیا گیا ہو خواہ فرشتے کے ذریعے سے ہو یا اور کسی طریقے سے۔

ترجمہ: یہ قصے غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور نہ تھا تو ان کے پاس جب وہ ڈالنے لگے اپنے قلم کہ ان کا کون پرورش میں لے مریم کو اور نہ تھا تو ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے۔

تفسیر: (یہ قصے) جو اوپر ذکر ہوئے جناب رسول اللہ ﷺ کے اعتبار سے اس وجہ سے کہ آپ کے پاس کوئی ظاہری ذریعہ ان کے معلوم کرنے کا نہ تھا (غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی بھیجتے ہیں ہم آپ ﷺ کے پاس) اور وحی کے ذریعہ سے آپ یہ خبریں معلوم کر کے دوسروں کو بتاتے ہیں (اور) ظاہر ہے کہ جو لوگ حضرت مریم علیہا السلام کے رکھنے میں اختلاف کر رہے تھے جس کا فیصلہ بالآخر قرعہ اندازی پر قرار پایا تھا (آپ ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود تھے جب کہ وہ) قرعہ کے طور پر (اپنے اپنے قلموں کو) پانی میں (ڈالتے تھے) اور قرعہ نکلنے کی یہ صورت قرار پائی تھی کہ جس کا قلم پانی کی حرکت کے خلاف الٹا بہہ جائے وہ مستحق سمجھا جائے گا سو قرعہ سے غرض اس امر کا طے کرنا تھا (کہ ان سب میں کون شخص حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت) و پرورش (کرے) پس آپ نہ تو اس وقت موجود تھے (اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جب کہ وہ لوگ) قرعہ اندازی سے قبل

إِذْ قَالَتِ
الْمَلَٰٓئِكَةُ يَٰمَرْيَمُ إِنَّ ٱللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ٱسْمُهُ ٱلْمَسِيحُ
عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ وَمِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾
وَيُكَلِّمُ ٱلنَّاسَ فِى ٱلْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٤٦﴾

اس معاملہ میں (باہم اختلاف کر رہے تھے) جس کو دور کرنے کے لئے یہ قرعہ اندازی طے پائی تھی اور ان خبروں کے دریافت ہونے کے لئے دوسرے وسائط کا نہ ہونا بھی یقیناً معلوم ہے، پس ایسی حالت میں یہ غیبی خبریں ہیں جو آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہیں۔

قرعہ کا حکم

کوئی چیز یا حق کسی کو ملے اس کی دو صورتیں ہیں۔

1- یا تو شریعت میں کسی خاص سبب کی وجہ سے اس کے حقدار معلوم ہوں مثلاً زید اور خالد نے برابر

کے پیسے ملا کر ایک سائیکل خریدی۔تو خریداری کے سبب کی وجہ سے دونوں اس میں برابر کے حقدار ہیں۔
ایسی صورت میں قرعہ اندازی کرنا ناجائز ہے مثلاً دونوں یہ طے کریں کہ قرعہ اندازی کرتے ہیں اور جس کے نام کا قرعہ نکلے پوری سائیکل وہ لے لے تو یہ ناجائز ہے اور جوئے میں شامل ہے۔

2- یا شریعت میں کسی کے حقدار بننے کا خاص سبب موجود نہ ہو پھر آپس کی رائے سے کسی کو وہ حق دے دیا جائے مثلاً مشترک زمین کی تقسیم کرنی ہے۔ایک غربی حصہ ہے اور ایک شرقی حصہ ہے۔آپس کی رائے سے ان میں سے ایک غربی حصہ لے لے اور دوسرا شرقی حصہ لے لے یہ جائز ہے۔اس صورت میں قرعہ اندازی سے کام لینا بھی جائز ہے۔

ترجمہ: جب کہا فرشتوں نے اے مریم بے شک اللہ بشارت دیتا ہے تجھ کو ایک کلمہ کی اپنے سے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے مرتبہ والا ہے دنیا میں اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقربین میں سے ہے۔اور باتیں کرے گا لوگوں سے ماں کی گود میں اور ادھیڑ عمر میں اور شائستہ لوگوں میں سے ہے۔

قَالَتْ رَبِّ

أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٤٧﴾

تفسیر: اس وقت کو یاد کرو (جب فرشتوں نے) حضرت مریم علیہا السلام سے یہ بھی (کہا کہ اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا) یعنی ایک بچہ پیدا ہونے کی جو بغیر باپ کے پیدا ہونے کے سبب محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے ہونے کی وجہ سے کلمۃ اللہ کہلائے گا (اس کا نام) ولقب (مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا) ان کے یہ حالات ہوں گے کہ (مرتبہ والے ہوں گے خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیا میں) بھی کہ ان کو نبوت عطا ہوگی (اور آخرت میں) بھی کہ اپنی امت کے مومنین کے بارے میں مقبول الشفاعت ہوں گے (اور) جیسے ان میں نبوت و شفاعت کی صفت ہوگی جس کا تعلق دوسروں سے بھی ہے، اسی طرح ذاتی کمال کے ساتھ بھی موصوف ہوں گے مثلاً اللہ کے نزدیک (مقربین میں سے ہوں گے اور) صاحب معجزہ بھی ہوں گے (لوگوں سے) دونوں حالت میں یکساں (کلام کریں گے، گہوارہ میں) یعنی بالکل بچپن میں بھی (اور بڑی عمر میں) بھی دونوں کلاموں میں تفاوت نہ ہوگا (اور) اعلیٰ درجہ کے (شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے)۔

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت ان کی عمر تقریباً تیس پینتیس سال کے درمیان تھی جو جوانی کا زمانہ تھا۔ ادھیڑ عمر جس کو عربی میں کہل کہتے ہیں وہ اس دنیا میں ان کی ہوئی ہی نہ تھی اس لئے ادھیڑ عمر میں لوگوں سے کلام اس وقت ہوسکتا ہے جب وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں۔ اس لئے جس طرح ان کا بچپن کا کلام معجزہ تھا اسی طرح ادھیڑ عمر کا کلام بھی معجزہ ہے۔

ترجمہ: بولی اے رب میرے کس طرح ہوگا میرے لڑکا حالانکہ نہیں ہاتھ لگایا مجھ کو

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُوْلًا
اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ
اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ
طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ
عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾
اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾

کسی بشر نے۔ فرمایا اسی طرح۔ اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ جب ارادہ کرتا ہے کسی کام کا تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر: (حضرت مریم علیہا السلام بولیں اے میرے پروردگار کس طرح ہوگا میرے بچہ حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے) صحبت کے طور پر (ہاتھ نہیں لگایا) نہ جائز طریقے سے اور نہ ناجائز طریقے سے اور کوئی بچہ عام طور سے مرد کے بغیر پیدا نہیں ہوتا، تو معلوم نہیں کہ ویسے ہی محض قدرت خداوندی سے بچہ ہوگا یا مجھ کو نکاح کرنے کا حکم ہوگا (اللہ تعالیٰ نے) جواب میں فرشتے کے واسطے سے (فرمایا ایسے ہی) مرد کے بغیر (ہوگا) کیونکہ (اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں) یعنی کسی چیز کے پیدا ہونے کے لئے

صرف ان کا چاہنا کافی ہے، کسی واسطہ سے یا سبب خاص کی ان کو حاجت نہیں اور ان کے چاہنے کا طریقہ یہ ہے کہ (جب کسی چیز کو) پورا (کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ) موجود (ہو جا، بس وہ چیز) موجود (ہو جاتی ہے) پس جس چیز کو اسباب و وسائط کے بعد موجود ہونے کو کہدیا وہ اسی طرح ہو جاتی ہے اور جس چیز کو اسباب و وسائط کے بغیر موجود ہونے کو کہہ دیا وہ اسی طرح ہو جاتی ہے۔

فائدہ: اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اسباب و وسائط بھی آخر شے ہیں اگر ان کے لئے بھی اسباب و وسائط کی حاجت ہو تو ان میں بھی یہی کلام ہو گا اور یہ سلسلہ لا متناہی چلے گا جو محال ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

ترجمہ: اور سکھائے گا اس کو کتابت اور سمجھ کی باتیں اور توریت اور انجیل اور (بنائے گا اس کو) پیغمبر بنی اسرائیل کی طرف کہ میں آیا ہوں تمہارے پاس (کافی) نشانی لے کر تمہارے رب کی طرف سے کہ میں بنا دیتا ہوں تمہارے لئے گارے سے مثل پرندے کی شکل کے پھر میں پھونکتا ہوں اس میں تو ہو جاتا ہے وہ پرندہ اللہ کے حکم سے، اور اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص والے کو اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے حکم سے، اور میں بتا دیتا ہوں تم کو جو تم کھا کر آتے ہو اور جو تم رکھ کر آتے ہو اپنے گھروں میں۔ اس میں نشانی (کافی) ہے تمہارے لئے اگر تم ہو ایمان لانے والے اور (اس طور پر آیا ہوں کہ) سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو توریت ہے اور اس واسطے (آیا ہوں) کہ حلال کر دوں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں جو حرام کی گئی تھیں تم پر اور آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی۔ سو ڈرو اللہ سے اور کہا مانو میرا بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو بندگی کرو اسی کی یہی ہے راہ سیدھی۔

تفسیر: اور اے مریم اس باسعادت بچے کی یہ فضیلتیں ہوں گی کہ (اللہ ان کو تعلیم فرمائیں گے کتابت) یعنی لکھنا (اور سمجھ کی باتیں اور) بالخصوص (توریت اور انجیل اور ان کو) تمام (بنی اسرائیل کی طرف) پیغمبر بنا کر یہ مضمون دے کر (بھیجیں گے کہ) انی قد جئتکم ...... مستقیم تک یعنی (میں تم لوگوں کے پاس) اپنی نبوت پر (کافی دلیل لے کر آیا ہوں وہ یہ) چند معجزے ہیں اول یہ (ہے کہ میں تم لوگوں کے) یقین لانے کے (لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسی پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر اس) مصنوعی شکل (کے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ) سچ مچ کا جاندار (پرندہ بن جاتا ہے خدا کے حکم سے) (اور) دوسرا معجزہ یہ ہے کہ (میں اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو اور) تیسرا معجزہ یہ ہے کہ میں (زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے اور) چوتھا معجزہ یہ ہے کہ (میں تم کو بتا دیتا

ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھا) کر (آتے ہو اور جو) گھروں میں (رکھ آتے ہو۔ بلاشبہ ان) مذکورہ

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

معجزات (میں) میرے نبی ہونے کی (کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے اگر تم ایمان لانا چاہو۔ اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ (تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے) نازل ہوئی (تھی یعنی تورات کی اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے واسطے بعض ایسی چیزیں حلال کردوں جو) موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں (تم پر حرام کردی گئی تھیں) سو ان کی حرمت میری شریعت میں منسوخ ہوگی (اور) نسخ کے بارے میں میرا یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے بلکہ میں ثابت کرچکا ہوں کہ (میں تمہارے پاس تمہارے رب کی) جانب سے اپنی نبوت کی (دلیل لے کر آیا ہوں) لہذا میں نبی ہوں اور نبی کا قول دعویٰ نسخ میں حجت ہے (حاصل یہ کہ) جب میرا نبی ہونا دلائل سے ثابت ہوچکا تو میری تعلیم کے موافق (تم لوگ اللہ تعالیٰ) کے حکم کی مخالفت (سے ڈرو اور) دین کے بارے میں (میرا کہنا مانو) اور میری دینی تعلیم کا یہ خلاصہ یہ ہے کہ (بے شک اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی رب ہیں) یہ تو حاصل ہے عقیدہ کی تکمیل کا (سو تم لوگ اس (رب کی عبادت کرو) یہ حاصل ہوا عمل کی تکمیل کا (بس یہ ہے راہ راست) دین کی جس میں عقائد و اعمال دونوں کی تکمیل ہو اسی سے نجات اور وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے۔

فائدہ: 1 مادرزاد اندھے اور برص کے بیمار کے لئے اگرچہ اسباب طبعیہ میں علاج بھی ہو لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اس کے معجزہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان سے اسباب طبعیہ کے بغیر مریض صحیح ہوجاتے تھے۔

2: پرندہ کی شکل بنانا تصویر تھا جو اس شریعت میں جائز تھا، ہماری شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہوگیا۔

ترجمہ: پھر جب معلوم کیا عیسیٰؑ نے ان (بنی اسرائیل) کا کفر، بولا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں۔ کہا حواریوں نے ہم ہیں مدد کرنے والے اللہ کے، ہم یقین لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے رب ہم نے یقین کیا اس چیز کا جو تو نے اتاری اور ہم نے تابعداری کی رسول کی سو تو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں۔

تفسیر: غرض مذکورہ بشارت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی شان سے پیدا ہوئے اور بنی

www.askfatwa.com

اسرائیل سے مذکورہ مضمون کی گفتگو ہوئی اور معجزات ظاہر فرمائے، مگر بنی اسرائیل عام طور سے آپ کی

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٥٤﴾ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾

نبوت کے منکر رہے (سو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے انکار دیکھا) اور انکار کے ساتھ در پے ایذاء بھی دیکھا اور اتفاقاً کچھ لوگ ان کو مخلص ملے جو حوار یین کہلاتے تھے، تو ان حوار یین سے (آپ نے فرمایا کوئی ایسے آدمی بھی ہیں جو) دین حق میں مخالفین ومنکرین کے مقابلہ میں (میرے مددگار ہو جائیں اللہ کے واسطے) جس سے دعوت دین میں مجھے کوئی ایذاء نہ پہنچائے (حوار یین بولے کہ ہم ہیں اللہ کے) دین کے (مددگار ہم اللہ تعالیٰ پر) آپ کی دعوت کے مطابق (ایمان لائے اور آپ اس) بات (کے گواہ رہیئے کہ ہم) اللہ تعالیٰ کے اور آپ کے (فرمانبردار ہیں)۔ پھر ان حواریوں نے مزید اہتمام و توثیق کے لئے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی کہ (اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ان چیزوں) یعنی ان احکام (پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی اختیار کی ہم نے) ان (رسول کی سو) ہمارا ایمان قبول فرما کر (ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو) مذکورہ باتوں کی (تصدیق کرتے ہیں) یعنی مومنین کاملین کے زمرہ میں ہمارا بھی شمار فرمائیے۔

فائدہ: لفظ حواری حور سے ماخوذ ہے جس کے معنے لغت میں سفیدی کے ہیں، اصطلاح میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں کو ان کے اخلاص اور صفائی قلب کی وجہ سے یا ان کی سفید پوشاک کی وجہ سے حواری کا لقب دیا گیا ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کو صحابی کا لقب ملا۔ بعض مفسرین نے حوار یین کی تعداد بارہ بتائی ہے۔ اور کبھی لفظ حواری مطلقاً مددگار کے معنے میں بھی بولا جاتا ہے، اسی معنی پر ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر نبی کا کوئی حواری یعنی مخلص ساتھی ہوتا ہے، میرے حواری زبیر ہیں۔

ترجمہ: اور داؤ چلا ان کافروں نے اور داؤ چلا اللہ نے اور اللہ بہتر ہے سب داؤ چلنے والوں سے جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ بے شک میں لینے والا ہوں تجھ کو اور اٹھانے والا ہوں تجھ کو اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تجھ کو کافروں سے اور کرنے والا ہوں ان کو جو تیرے تابع ہوئے غالب ان لوگوں پر جنہوں نے انکار کیا قیامت کے دن تک پھر میری طرف

ہے تم سب کا لوٹنا پھر میں فیصلہ کر دوں گا تمہارے درمیان جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔

تفسیر: (اور ان لوگوں نے) جو کہ بنی اسرائیل یعنی یہود میں سے آپ کی نبوت کے منکر تھے آپ کو ہلاک کرنے اور ایذاء پہنچانے کے لئے (خفیہ تدبیر کی) چنانچہ مکر و حیلہ سے آپ کو گرفتار کر کے سولی دینے پر آمادہ ہوئے (اور اللہ تعالیٰ نے) آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے (خفیہ تدبیر فرمائی) جس کی حقیقت کا ان لوگوں کو بھی پتہ نہ لگا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک جوان کو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دریافت فرمانے پر آپ کی خاطر قربانی دینے کو تیار ہو گئے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل پر بنا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا جس سے وہ محفوظ رہے اور وہ ہم شکل سولی دیا گیا، ان لوگوں کو اس تدبیر کا علم تک بھی نہ ہو سکا اور دفع پر تو کیا قدرت ہوتی (اور اللہ تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں) کیونکہ دوسروں کی تدبیریں ضعیف ہوتی ہیں اور کبھی قبیح اور بے موقع بھی ہوتی ہیں، جب کہ حق تعالیٰ کی تدبیریں قوی بھی ہوتی ہیں اور ہمیشہ خیر محض ہوتی ہیں اور حکمت کے موافق ہوتی ہیں (اللہ تعالیٰ نے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب کہ وہ گرفتاری کے وقت متردد اور پریشان ہوئے چار وعدے کئے (فرمایا اے عیسیٰ) کچھ غم نہ کرو (بے شک میں تم کو پورا) یعنی بدن اور

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۵۶ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۷

روح سمیت (لیتا ہوں اور اپنی طرف) یعنی عالم بالا کی طرف (اٹھائے لیتا ہوں) یہ پہلا وعدہ ہوا (اور تم کو ان لوگوں) کی تہمت سے پاک کرنے والا ہوں جو) تمہارے (منکر ہیں) یہ دوسرا وعدہ ہوا۔ یہ اس طرح پورا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور یہود کے سب بے جا الزامات اور افتراء کو جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذمہ لگاتے تھے مثلاً ان کے نسب کو مطعون کرنا اور ان کو الوہیت کا دعویدار بتانا ان سب کو صاف کر دیا چنانچہ قرآن مجید میں یہ مضامین جا بجا صراحت کے ساتھ مذکور ہیں۔ (اور جو لوگ) کچھ نہ کچھ (تمہارا کہنا ماننے والے) یعنی کم از کم تمہاری نبوت کی تصدیق کرنے والے (ہیں) خواہ عیسائی ہوں یا مسلمان ہوں ان کو غالب رکھنے والا ہوں ان لوگوں پر جو کہ) تمہاری نبوت کے (منکر ہیں) یعنی یہود پر (روز قیامت تک) گو اس وقت یہ منکرین غلبہ اور قدرت رکھتے ہیں۔ یہ تیسرا وعدہ ہوا۔ (پھر) جب قیامت آ جائے گی اس وقت (میری طرف سب کی واپسی ہوگی) دنیا اور برزخ سے

(سو میں) اس وقت (تمہارے) سب کے (درمیان) عملی (فیصلہ کردوں گا ان امور میں جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے) یعنی کھلی آنکھوں سے دکھا دوں گا کہ ان میں حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ اگرچہ دلائل سے ثواب بھی دنیا میں حق و باطل کے درمیان میرا فیصلہ موجود ہے اور ان امور میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ بھی ہے۔ یہ چوتھا وعدہ ہوا۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾

ربط: اوپر یہ بتایا کہ قیامت کے دن کھلی آنکھوں ان کو حق و باطل دکھا دیا جائے گا اس کی مناسبت سے آگے مومنوں اور کافروں کا دنیا و آخرت میں کیا انجام ہوگا اس کو بتاتے ہیں:

ترجمہ: سو وہ لوگ جو کافر ہوئے تو میں عذاب دوں گا ان کو سخت عذاب دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کا کوئی مددگار اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام نیک کئے سو اللہ پورا دے گا ان کو ان کے اجر اور اللہ نہیں پسند کرتا ظلم کرنے والوں کو۔

تفسیر: انجام کی (تفصیل یہ ہے کہ جو لوگ) ان اختلاف کرنے والوں میں سے (کافر ہیں سو

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى

عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٥٩﴾

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾

ان کو) ان کے کفر پر (سخت سزا دوں گا) دونوں ہی جہاں میں (دنیا میں بھی) کہ ذلیل و مغلوب ہوں گے اور قرب قیامت میں تمام یہودی چن چن کر قتل کئے جائیں گے۔ (اور آخرت میں بھی اور ان لوگوں کا کوئی حامی) مددگار (نہ ہوگا۔ اور جو لوگ مومن ہیں اور انہوں نے نیک کام کئے سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے) ایمان اور نیک کاموں کے (پورے ثواب دیں گے۔ اور) کفار کو سزا ملنے کی وجہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے) ایسے (ظلم کرنے والوں سے) جو خدا تعالیٰ یا پیغمبروں کے منکر ہوں یعنی چونکہ یہ ظلم عظیم ہے، معافی کے قابل نہیں، اس لئے اللہ کے شدید غصہ کے مستحق ہو کر سزایاب ہوں گے۔

فائدہ: کفار پر دنیا میں جو بھی مصیبتیں اور تکلیفیں آتی ہیں وہ محض سزا کے طور پر ہوتی ہیں جب کہ جو مسلمانوں پر آتی ہیں وہ یا تو آزمائش کے طور پر ہوتی ہیں یا گناہوں کے کفارے کے طور پر ہوتی ہیں۔

ربط: آگے یاد دلاتے ہیں کہ یہ محض قصہ کہانیاں نہیں ہیں بلکہ اللہ کی نشانیاں ہیں اور حکمت آموز ہیں۔

ترجمہ: یہ قصہ ہے ہم پڑھ سناتے ہیں اس کو تم پر نشانیوں اور حکمت والے ذکر میں سے۔

تفسیر: (یہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذکور قصہ کوئی وقت گزاری کی کہانی نہیں ہے بلکہ یہ وہ ہے جو (ہم تم کو) بذریعہ وحی کے (پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں جو کہ) اللہ تعالیٰ کی (نشانیوں میں سے ہے) اور (حکمت آمیز مضامین میں سے ہے)

ربط: محبوب بندوں کے تذکرہ کے بعد آگے توحید کے منکروں میں سے نصاریٰ کی ایک گمراہی کا جواب دیتے ہیں۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ
مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ
وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ
لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ: بے شک مثال ہے عیسیٰ کی اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جا سو وہ ہو گیا، حق (ہے) تیرے رب کی طرف پھر مت ہو تو شک کرنے والوں میں سے۔

تفسیر: اے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے پر تم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ خدا ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کو بغیر باپ کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ (بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک) یعنی ان کے علم میں اور ان کی تجویز میں جو ہمیشہ سے ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کی مثال) یعنی ان کی عجیب حالت حضرت (آدم) علیہ السلام کی مثال اور عجیب حالت (کے مشابہ ہے کہ ان) آدم علیہ السلام (کو) یعنی ان کے قالب کو بغیر ماں باپ کے محض (مٹی سے بنایا پھر ان) کے قالب (کو حکم دیا کہ) زندہ (ہو جا، پس وہ زندہ ہو گئے) یہ (امر واقعی) جو اوپر مذکور ہوا (آپ کے پروردگار کی طرف سے) بتلایا گیا (ہے) جب اس کے باوجود آدم علیہ السلام خدا نہ بنے تو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کیسے مانتے ہو۔ اگرچہ اس بات میں آپ کے شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں لیکن جیسے کسی اہم تقریب کے انتظام میں اپنے قابل اعتماد کو کہ جس سے سستی کرنے کا اندیشہ نہیں محض انتظام کی اہمیت کی وجہ سے تاکید کی جاتی ہے کہ سستی نہ کرنا اسی طرح اس بات کے بہت اہم اور عظیم الشان ہونے کی وجہ سے آپ کو بھی تاکید کی جاتی ہے (سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جایئے)۔

www.askfaw

ربط: اوپر کی تقریر منکروں کو سمجھانے کے لئے تھی آگے ضد بازی کرنے والوں کے ساکت کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔

ترجمہ: پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس قصہ میں اس کے بعد کہ آچکا تیرے پاس علم تو کہہ دے آؤ، بلائیں ہم اپنے بیٹے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر التجا کریں ہم (سب) اور کریں لعنت اللہ کی ان پر جو جھوٹے ہیں۔

تفسیر: (پس جو آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کے پاس علم) واقعی (آنے کے بعد) اب بھی (حجت کرے تو آپ) جواب میں یوں (فرما دیجئے کہ) اچھا اگر دلیل سے نہیں مانتے تو پھر (آ جاؤ ہم) اور تم (بلا) کر جمع کر (لیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو اور خود تم کو پھر ہم) سب مل کر (خوب دل سے دعا کریں اس طور پر کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر جو) ہم میں سے اس بحث میں (ناحق پر ہوں)۔

فائدہ: اس طور پر بددعا کرنے کو مباہلہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دلیل سے گفتگو ختم نہ ہو تو مباہلہ کر لو۔

مباہلہ کے احکام

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾

1- مباہلہ میں اصل خود مباحثہ کرنے والوں کا جمع ہو کر مذکور مضمون کے ساتھ بددعا کرنا ہے اپنے اعزہ و اقارب کو جمع کرنا ضروری نہیں لیکن اس سے اہتمام اور بڑھ جاتا ہے کیونکہ ان کے ضرر یا ہلاکت سے خود طبعا انسان کو رنج ہوتا ہے۔

2- رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا۔ ان سے آپ کی مذہبی گفتگو ہوئی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کلام کی نوبت پہنچی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ نے ان کو اس مضمون کی خبر دی اور خود حضرت فاطمہ اور حضرت علی اور حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لا کر مباہلہ کے لئے تیار ہوئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم کو ان کا نبی ہونا معلوم ہے نبی سے مباہلہ کر کے فلاح نہیں ہو سکتی ہم سب بلا شبہ ہلاک ہو جائیں

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾

گے۔ پھرانہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ صلح کر لی اور جزیہ دینے کو قبول کیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر وہ لوگ مباہلہ کر لیتے تو ان کے اہل اور اموال سب ہلاک ہو جاتے۔

3- اگر بالفرض بددعا کا اثر ظاہر نہ ہو یا اس میں تاخیر ہو تو اشتباہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ حق و باطل کی تعیین کے لئے شرعی دلائل کافی ہیں مباہلہ پر موقوف نہیں۔ اس سے زیادہ غرض زبانی جھگڑے کو ختم کرنا ہے۔

4- مباہلہ امور قطعیہ میں کیا جا سکتا ہے اختلافی اور ظنی مسائل میں جائز نہیں۔

ربط: اوپر عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ پیدا ہونے سے ان کی الوہیت پر استدلال کرنے کا ابطال اور جواب پورا ہو گیا۔ آگے اہتمام کے لئے اس مضمون کا حق ہونا اور نتیجہ کے طور پر حق تعالیٰ کی توحید یعنی اس کا الٰہ واحد ہونا بیان فرماتے ہیں۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ: بے شک یہی ہے بیان سچا اور نہیں ہے کوئی لائق بندگی سوا اللہ کے اور بے شک اللہ ہی ہے زبردست حکمت والا۔

تفسیر: (بے شک یہ) جو کچھ (مذکور) ہوا (وہی ہے سچی بات اور اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے آگے سب اس کی مخلوق ہے اور ان کی قدرت کے تابع ہے لہٰذا (سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں) کہ وہ ذات میں بھی یکتا ہیں (اور) صفات میں بھی یکتا ہیں کہ (بلاشک اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والے حکمت والے ہیں) یہ توحید صفاتی ہوئی۔

ربط: جو فسادی لوگ اتنی حجتوں کے بعد بھی نہ مانیں اور اپنی ضد پر اڑے رہیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

ترجمہ: پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ جاننے والے ہیں فساد کرنے والوں کو۔

تفسیر: (پھر اگر) یہ نصاریٰ حق قبول کرنے سے یعنی توحید سے (سرتابی کریں تو) آپ ان کا معاملہ خدا کے حوالہ کیجئے کیونکہ (بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں فساد کرنے والوں کو)

ربط: اوپر نصاریٰ سمیت اہل کتاب سے مناظرہ تھا جس کو عمدہ طریقے سے پورا کر کے اب آگے لطف و نرمی کے ساتھ ان کو پھر توحید کی دعوت دی جاتی ہے کہ سب شریعتوں میں اس کی تعلیم ہوئی اور اہل کتاب بھی ضابطہ کے طور پر اس کو مانتے ہیں کہ توحید فرض ہے اور شرک کفر ہے اور کسی مخلوق کو رب قرار دینا شرک ہے لیکن اس کے باوجود وہ شرک میں اس لئے مبتلا تھے کہ وہ اس کو شرک اور خلاف توحید نہ سمجھتے تھے۔ اس تقریر میں لطف و مہربانی کی صورت یہ ہوئی کہ اصول و ضابطہ کی بات سامنے رکھ دی تاکہ اپنے اختیار کردہ بعض تفصیلی عقائد کے شرک ہونے کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

ترجمہ: تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کہ نہ بندگی کریں ہم مگر اللہ کی اور نہ شریک ٹھہرائیں ہم اس کا کسی کو اور نہ بنائے ہمارا کوئی کسی کو رب سوائے اللہ کے پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو تابعدار ہیں۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ ﷺ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان) مسلم ہونے میں (برابر ہے) وہ (یہ) ہے (کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ
فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ
تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾
مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا
مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ
لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی خدا تعالیٰ کو چھوڑ

کر کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے)۔اہل کتاب کے مشرک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وہ بعض صفات جو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہیں دوسروں کے لئے بھی مانتے تھے اگرچہ اتنا فرق مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ صفات خود بخود حاصل ہیں یعنی ان کی ذاتی ہیں اور دوسروں کو اللہ کے دیئے سے حاصل ہیں یعنی ان کے لئے عطائی ہیں حالانکہ یہ فرق ان صفات میں تو روا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہیں ان میں جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں مثلاً الوہیت اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے لیکن اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کے لئے اس کو مانتے تھے۔اسی طرح مطاع علی الاطلاق ہونا یعنی ہر حال میں قابل اطاعت ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے لیکن اہل کتاب اپنے احبار اور رہبان کے لئے اسکو مانتے تھے کیونکہ ان کے حرام وحلال ٹھہرانے کو اگرچہ کتاب الٰہی کی تصریح کے خلاف ہو معتبر مانتے تھے۔(پھر اگر) اس کے بعد بھی (وہ لوگ) حق سے (اعراض کریں تو تم) مسلمان (لوگ کہہ دو کہ تم) ہمارے (اس) اقرار (کے گواہ رہو کہ ہم تو تابعدار ہیں) اور حکم کو مانتے ہیں اگر تم نہ مانو تو نہ مانو۔

ربط: اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ دونوں میں سے ہر ایک اپنی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں دعویدار تھے کہ وہ ان کے طریقہ پر تھے جیسا کہ ایک بار نجران کے نصاری اور کچھ علمائے یہود نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا۔ جہاں ان کو حق قبول کرنے اور شرک چھوڑنے کی دعوت دی وہیں یہ بھی وضاحت کر دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو شرک سے بہت دور تھے تمہارا ان کو اپنے اپنے طریق پر ماننا عقل ونقل دونوں کی رو سے غلط ہے۔

ترجمہ: اے اہل کتاب کیوں تم جھگڑتے ہو ابراہیم کی بابت حالانکہ نہیں اتاری گئیں توریت اور انجیل مگر اس کے بعد۔کیا تم عقل نہیں کرتے۔ارے تم ہی لوگ جھگڑ چکے جس بات میں تم کو کچھ خبر تھی،تو کیوں جھگڑتے ہو اس بات میں نہیں ہے تم کو جس کی کچھ خبر اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف (یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور) فرمانبردار اور نہ تھا مشرکوں میں سے۔بے شک لوگوں میں زیادہ قریب ہیں ابراہیم سے وہ جنہوں نے اتباع کی اس کی اور یہ نبی اور جو ایمان لائے (اس نبی پر) اور اللہ دوست ہے مسلمانوں کا۔

تفسیر: (اے اہل کتاب کیوں حجت کرتے ہو) حضرت (ابراہیم) علیہ السلام (کے بارے میں) کہ وہ طریق یہودیت پر تھے یا نصرانیت پر تھے (حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل،مگر ان کے) زمانہ کے بہت (بعد) اور یہ دونوں طریق ان دونوں کتابوں کے نزول کے بعد سے ظاہر ہوئے

www.askfatwa.com

پہلے سے ان کا وجود ہی نہ تھا، پھر حضرت ابراہیمؑ ان طریقوں پر کس طرح ہو سکتے ہیں (کیا) ایسی خلاف عقل بات منہ سے نکالتے ہو اور (پھر سمجھتے نہیں ہو، ہاں تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں حجت کر ہی چکے تھے

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

جس سے تم کو کسی قدر تو واقفیت تھی) مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور نبی آخر الزمان کی بشارتیں وغیرہ حالانکہ ان میں بھی تمہاری غلطی ظاہر ہو گئی جیسے علم کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا اور تورات و انجیل میں مذکور بشارتوں کا مصداق آپ ﷺ کو نہ ماننا (تو ایسی بات میں) پھر (کیوں حجت کرتے ہو جس سے تم کو سرے سے واقفیت نہیں) اور کیوں دعوی کئے چلے جاتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی تھے۔ اور اگر یہ مطلب لیتے ہو کہ ان کی شریعت ہمارے

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

مذہب سے زیادہ قریب اور موافق تھی تو یہ بھی غلط ہے (اور) اس کی بھی تمہارے پاس کوئی دلیل اور ثبوت نہیں تو اسے خدا کے سپرد کر دو کیونکہ

(اللہ تعالیٰ) ابراہیم علیہ السلام کے طریق کو خوب (جانتے ہیں تم نہیں جانتے)۔ اور جب تم ایسے بے سروپا دعوے کرتے ہو جس سے علم اور عدم علم میں فرق ہی نہیں رہتا تو اب اللہ تعالیٰ سے ان کے طریق کو سنو کہ (ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، لیکن) البتہ (طریق مستقیم) والے اور (فرمانبردار تھے اور مشرکین میں سے) بھی (نہ تھے) سو یہود اور نصاریٰ کو تو مذہبی طریق کے اعتبار سے ان کے ساتھ کوئی مناسبت نہ ہوئی، ہاں (بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے) حضرت (ابراہیم) علیہ السلام (کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کے وقت میں (ان کا اتباع کیا

تھا اور یہ نبی) محمد ﷺ (ہیں ، اور یہ ایمان والے) جو نبی ﷺ کی امت ہیں۔ (اور اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے) کہ ان کو ان کے ایمان کا ثواب دیں گے۔

ربط: اہل کتاب کو دعوت حق دی گئی لیکن ان سے قبول کرنے کی توقع نہیں الا من شاء اللہ اور یہ گمراہی میں اس درجہ چلے گئے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اہل حق کو بھی گمراہ کیا جائے۔

ترجمہ: آرزو کرتے ہیں بعض اہل کتاب میں سے کہ کس طرح گمراہ کریں تم کو اور

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ
اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ
اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ
اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے۔

تفسیر: (دل سے چاہتے ہیں بعضے لوگ اہل کتاب میں سے اس بات کو کہ تم کو) دین حق سے (گمراہ کردیں اور وہ کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے مگر خود اپنے آپ کو) گمراہ کرنے کے وبال میں گرفتار کر رہے ہیں (اور اس کی سمجھ نہیں رکھتے۔)

ربط: آگے اہل کتاب کے ضلال واضلال پر ان کو ملامت فرماتے ہیں۔

ترجمہ: اے اہل کتاب کیوں تم انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا حالانکہ تم (انکا) اقرار کرتے ہو۔اے اہل کتاب کیوں تم خلط کرتے ہو حق کو باطل کے ساتھ اور چھپاتے ہو سچی بات حالانکہ تم جانتے ہو۔

تفسیر: (اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی) ان (آیتوں کے ساتھ) جو تورات اور انجیل میں نبوت محمد یہ ﷺ پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا ان آیات کی

تکذیب کرنا ہے جو کفر ہے (حالانکہ تم) اپنی زبان سے (اقرار کرتے ہو) کہ وہ آیات حق ہیں ، یہ تو ملامت ہوئی ان کے ضلال و گمراہی پر۔ آگے اضلال یعنی دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش پر ملامت فرماتے ہیں کہ (اے اہل کتاب کیوں مخلوط کرتے ہو حق) مضمون یعنی نبوت محمدیہ ﷺ (کو باطل) یعنی تحریف شدہ عبارت: یا فاسد تفسیر (سے اور) کیوں (چھپاتے ہو حق بات کو حالانکہ تم جانتے ہو) کہ تم حق بات چھپا رہے ہو۔

فائدہ: انتم تشھدون اور انتم تعلمون کے الفاظ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اگر وہ اقرار حق نہ کریں یا ان کو علم نہ ہو تو ان کے لئے کفر جائز ہوگا، کیونکہ کفر تو اپنی ذات کے اعتبار سے ایک قبیح فعل ہے، یہ ہر حالت میں ناجائز ہے، البتہ علم واقرار کے بعد کفر اختیار کرنے میں ملامت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

ربط: آگے اہل حق کو گمراہ کرنے کی ان کی ایک تدبیر کا ذکر فرماتے ہیں۔

ترجمہ: اور کہا بعض اہل کتاب نے مان لو جو کچھ اتارا گیا مسلمانوں پر شروع دن میں اور منکر ہو جاؤ آخر دن میں شاید وہ پھر جائیں اور نہ یقین کرو مگر اسی کا جو پیروی کرے تمہارے دین کی۔ کہہ دے کہ بے شک ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (اے اہل کتاب تم ایسی باتیں اس حسد سے کہتے ہو) کہ (کیوں) دیا جائے اور کوئی جیسا کچھ تم دے گئے تھے یا وہ غالب (کیوں) آئیں۔ تم پر تمہارے رب کے پاس۔ تو کہہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے اس کو جسے چاہے اور اللہ بہت گنجائش والا ہے خبردار ہے خاص کرتا ہے اپنی مہربانی کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر: (اور اہل کتاب میں سے بعض لوگوں نے) باہمی مشورہ کے طور پر کہا کہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ایک تدبیر ہے کہ بظاہر (ایمان لے آؤ اس) کتاب (پر جو نازل کی گئی ہے) رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے (مسلمانوں پر) مراد یہ کہ دکھانے کو قرآن پر ایمان لے آؤ (شروع دن میں) یعنی صبح کے وقت (اور) پھر انکار کر بیٹھو آخر دن یعنی شام کو (کیا عجب) کہ اس تدبیر سے مسلمانوں کو بھی قرآن اور اسلام کے حق ہونے میں شبہ پڑ جائے اور (وہ) اپنے دین سے (پھر جائیں) اور یہ خیال کریں کہ یہ لوگ علم والے ہیں اور بے تعصب بھی ہیں کہ اسلام قبول کر لیا، اس پر بھی جو یہ اسلام سے پھر گئے تو ضرور اسلام کا غیر حق ہونا ان کو علمی دلائل سے ثابت ہو گیا ہوگا اور ضرور انہوں نے اسلام میں کوئی خرابی دیکھی ہوگی جب ہی تو اس سے پھر گئے (اور) اہل کتاب نے یہ بھی باہم کہا کہ مسلمانوں کے دکھانے کو صرف

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ

www.askfatwa.com

تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَأْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

ظاہری ایمان لانا اور یہ ذہن میں رکھنا کہ کہیں مسلمانوں کی باتوں اور عقیدوں پر یقین نہ کرنے لگو کیونکہ اس طرح تو تم خود ہی بدل جاؤ گے اس لئے (یقین تو صرف اسی کی بات کا کرنا جو تمہارے دین کی پیروی کرتا ہو)۔

حق تعالیٰ ان کی تدبیر کے لچر ہونے کا اظہار فرماتے ہیں کہ (اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ) ان چالاکیوں سے کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ (یقیناً ہدایت) جو بندوں کو ہوتی ہے وہ (ہدایت اللہ کی) طرف سے ہوتی (ہے)۔ پس جب ہدایت قبضہ خداوندی میں ہے تو وہ جس کو ہدایت پر قائم رکھنا چاہیں اس کو کوئی دوسرا کسی تدبیر سے نہیں ہٹا سکتا ہے۔ آگے ان کے اس مشورہ و تدبیر کی علت بتاتے ہیں کہ اے اہل کتاب تم (ایسی باتیں اس لئے کرتے ہو کہ) تم کو حسد ہے (کسی اور کو بھی ایسی چیز) کیوں (مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی) یعنی کتاب اور دین آسمانی (یا وہ اور لوگ تم پر) کیوں (غالب آ جائیں) اس دین حق کی تعیین میں جو (تمہارے رب کے نزدیک) ہے۔ علت کا حاصل یہ ہوا کہ تم کو مسلمانوں پر حسد ہے کہ ان کو آسمانی کتاب کیوں مل گئی، یا یہ لوگ ہم پر مذہبی مناظرہ میں کیوں غالب آ جاتے ہیں، اس حسد کی وجہ سے اسلام اور اہل اسلام کے گرانے کی کوشش کر رہے ہو۔

آگے اس حسد کا رد ہے کہ (اے محمد ﷺ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ بے شک فضل تو خدا کے قبضہ میں ہے وہ اس کو جسے چاہیں عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں) ان کے یہاں فضل کی کمی نہیں اور (خوب جاننے والے ہیں کہ کس وقت کس کو دینا مناسب ہے اس لئے (خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت) وفضل (کے ساتھ جس کو چاہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں) اس لیے اس وقت اپنی حکمت کے تقاضے سے مسلمانوں پر فضل و رحمت فرما دیا اس میں حسد کرنا فضول اور جہل ہے۔

ربط: اہل کتاب کی حسد اور دوسروں کو الٹا گمراہ کرنے کی خرابیوں کا ذکر ہوا تو اس کی مناسبت سے ان کی چند اور خرابیوں کا ذکر فرماتے ہیں (i) چند ایک کے علاوہ عام طور سے اہل کتاب کا امانت کے مال میں خیانت کرنا۔

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے بعض وہ ہے کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ڈھیر مال کی تو ادا کر دے اسے تجھ کو۔ اور ان میں سے بعض وہ ہے کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک اشرفی تو ادا نہ کرے اسے تجھ کو مگر جب تک کہ تو رہے اس (کے سر) پر کھڑا ہوا۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ نہیں ہے ہم پر امی لوگوں (کے حق لینے) میں کچھ (الزام کی) راہ اور بولتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور وہ جانتے ہیں۔

تفسیر: (اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ) اے مخاطب (اگر تم اس کے پاس انبار کا انبار مال بھی امانت رکھ دو تو وہ) مانگنے کے ساتھ ہی (اس کو تمہارے پاس لا رکھے اور ان ہی میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک اشرفی بھی امانت رکھ دو تو وہ بھی تم کو ادا نہ کرے) بلکہ

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

امانت رکھانے کا بھی اقرار نہ کرے (مگر جب تک کہ تم) امانت رکھ کر (اس کے سر پر) برابر (کھڑے رہو) اس وقت تک تو انکار نہ کرے اور جہاں الگ ہوئے پھر ادا کرنے کا تو کیا ذکر ہے سرے سے امانت ہی سے انکاری ہو جائے گا (یہ) امانت کا ادا نہ کرنا (اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر امی لوگوں) یعنی غیر اہل کتاب کے مال (کے بارے میں) اگر چوری چھپے لیا جائے تو مذہب کی رو سے (کسی طرح کا الزام نہیں) یعنی غیر اہل کتاب مثلاً قریش کا مال چرا لینا یا چھین لینا سب جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ آگے ان کے اس دعویٰ کی تکذیب اس طرح فرماتے ہیں کہ (اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں) کہ اس فعل کو حلال سمجھتے ہیں (اور دل میں وہ بھی جانتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال نہیں کیا، محض تراشیدہ دعویٰ ہے۔

فائدہ: وَمِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهٖ اِلَيْكَ اس آیت میں بعض لوگوں کے امانت دار ہونے پر مدح کی گئی ہے، اگر اس بعض سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو ایمان لا چکے تھے تو

ان کی تعریف کرنے میں کوئی اشکال نہیں، لیکن اگر خاص مومن مراد نہ ہوں بلکہ مطلقاً اہل کتاب ہوں جن میں غیر مسلم بھی شامل ہیں تو اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کافر کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا تو پھر ان کی مدح سے کیا فائدہ؟

جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا مقبول ہونا اور چیز ہے اور اس کی مدح کرنا اور چیز ہے، مدح کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اللہ کے ہاں مقبول بھی ہے، اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اچھی بات گو کافر کی ہو وہ بھی کسی درجہ میں اچھی ہی ہے، جس کا فائدہ اس کو دنیا میں ''نیک نامی'' ہے اور آخرت میں عذاب کی کمی کی صورت ملے گا۔

ربط: اوپر ویقولون سے اہل کتاب کے اس دعوے کی تکذیب تھی کہ قریش وغیرہ کا مال دبانے سے ان پر کچھ الزام نہیں ہے۔ آگے آیات سے اس تکذیب کی تاکید اس طرح سے کرتے ہیں کہ امانت بھی ایک عہد ہوتا ہے اور عہد کو پورا کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ کا یہ ضابطہ ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: کیوں نہیں جو کوئی پورا کرے اپنا عہد اور پرہیز گاری کرے تو بے شک اللہ محبت کرتا ہے پرہیز گاروں سے۔ بے شک جو لوگ مول لیتے ہیں اللہ کے عہد پر اور اپنی قسموں پر تھوڑی (سی) قیمت یہ لوگ ہیں (کہ) نہیں ہے کچھ حصہ ان کے لیے آخرت میں اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا ان کی طرف قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور ان کے واسطے عذاب ہے دردناک۔

تفسیر: خائن پر (الزام کیوں نہ ہوگا) ضرور ہوگا، کیونکہ اس کے متعلق ہمارے یہ دو دائمی قانون ہیں۔ ایک یہ کہ (جو شخص اپنے عہد کو) خواہ وہ عہد اللہ تعالیٰ سے ہوا ہو، یا بشرط جواز کسی مخلوق سے ہوا ہو (پورا کرے اور) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے (پرہیز گاری کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے

ہیں) ایسے (متقیوں کو) تو جو بدعہدی کر کے خیانت کرتے ہوں وہ اللہ کی محبت سے دور ہوں گے اور سزا کے مستحق ہوں گے۔ اور دوسرا قانون یہ ہے کہ (یقیناً جو لوگ تھوڑا معاوضہ) یعنی دنیوی نفع خواہ کتنا ہی ہو (لے لیتے ہیں اس عہد کے مقابلہ میں جو) انہوں نے (اللہ تعالیٰ سے کیا ہے) مثلاً انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا (اور اپنی قسموں کے مقابلہ میں) مثلاً قسم کھا کر کچھ دینوی فائدے کے خاطر اس کو توڑتے ہیں (ان لوگوں کو آخرت میں) وہاں کی نعمت کا (کچھ حصہ نہ ملے گا اور نہ خدا تعالیٰ ان سے) لطف کا (کلام فرمائیں گے اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف) نظر محبت سے (دیکھیں گے اور نہ ان کو گناہوں سے (پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب) تجویز (ہوگا)

فائدہ: اگر یہ آیت کفار کے حق میں لی جائے تو یہ سب وعیدیں ابدالآباد کے لئے ہیں اور اگر مسلمان فاجروں کو اس میں شامل کیا جائے تو یہ مطلب ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک ان وعیدوں کے مستحق ہوں گے۔ ان کی سزا ابدی نہ ہوگی کیونکہ ایمان کی جزا بھی تو بالآخران کو ملنی ہے اور یہ بھی لازمی نہیں کہ ان کو سزا ضرور ہی ہو کیونکہ اہلسنت کے نزدیک گناہگار مسلمان کی بغیر سزا کے بھی معافی ہوسکتی ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ
وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ
وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾

(2) کتاب اللہ کی تحریف کرتے ہیں۔

ترجمہ: اور ان میں سے ایک فریق ہے کہ مروڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب (پڑھنے) میں تاکہ تم خیال کرو کہ وہ کتاب میں سے ہے حالانکہ نہیں ہے وہ کتاب میں سے۔ اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی جانب سے ہے حالانکہ نہیں ہے وہ اللہ کی جانب سے اور بولتے ہیں اللہ پر جھوٹ حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

تفسیر: (اور بے شک ان میں سے بعضے ایسے ہیں کہ کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب) پڑھنے (میں) یعنی ان میں کوئی لفظ یا کوئی تفسیر غلط ملا دیتے ہیں اور ایسے انداز میں اس کو پڑھتے ہیں

(تا کہ تم لوگ) جو اس کو سنو تو (اس) ملائی ہوئی چیز (کو) بھی (کتاب کا جزو سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں اور) صرف دھوکہ دینے کے لئے اس عملی طریق پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی (کہتے ہیں کہ یہ) لفظ یا مطلب (خدا تعالیٰ کے پاس سے، جو الفاظ یا قواعد نازل ہوئے ہیں ان سے ثابت (ہے حالانکہ وہ) کسی طرح (خدا تعالیٰ کے پاس سے نہیں) پس ان کا جھوٹا ہونا لازم آ گیا، آگے تاکید کے لئے اس کی پھر تصریح ہے (اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ) اپنا جھوٹا ہونا دل میں خود بھی (وہ جانتے ہیں)۔

فائدہ: ممکن ہے کہ تحریف لفظی کرتے ہوں اور ممکن ہے کہ تفسیر غلط بتاتے ہوں۔ تحریف لفظی میں الفاظ میں ردو بدل کر کے یا اپنی طرف سے اضافہ کر کے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسا ہی نازل ہوا ہے۔ غلط تفسیر میں یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ یہ تفسیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ قواعد شرعی سے ثابت ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ
ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ
قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ
قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى
بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ
وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ
يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

(3) جانتے بوجھتے انبیاء علیہم السلام پر بہتان تراشی کرتے ہیں جیسا کہ جب آپ ﷺ نے یہود اور نجران کے نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی ایک یہودی نے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔

ترجمہ: نہیں ہے کسی بشر کیلئے کہ دے اس کو اللہ کتاب اور حکمت اور پیغمبری پھر وہ

کہے لوگوں کو کہ تم ہو جاؤ میرے بندے اللہ کو چھوڑ کر لیکن (وہ تو یہ کہے گا کہ) تم ہو جاؤ اللہ والے اس وجہ سے کہ تم سکھاتے ہو کتاب اور اس وجہ سے کہ تم خود بھی پڑھتے ہو (اسے)۔ اور نہ وہ حکم دے گا تم کو کہ ٹھہرا لو فرشتوں کو اور نبیوں کو رب۔ کیا وہ حکم دے گا تم کو کفر کا اس کے بعد کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

تفسیر: اے اہل کتاب تم بہتان تراشی کرتے ہو حالانکہ (کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ) تو (اس کو کتاب اور) دین کا (فہم اور نبوت عطا فرمائیں) جن میں سے ہر ایک کا تقاضا کفر و شرک سے ممانعت ہے اور (پھر وہ لوگوں سے) یوں کہنے لگے کہ میرے بندے) یعنی میری عبادت کرنے والے (بن جاؤ، خدا تعالیٰ) کی توحید (کو چھوڑ کر) غرض نبوت اور امر بالشرک جمع نہیں ہو سکتے (ولیکن) وہ نبی تو یہ (کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ) یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو (اس وجہ سے کہ تم کتاب) الٰہی اوروں کو بھی (سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ) خود بھی اس کو (پڑھتے ہو) اور اس کتاب میں توحید کی تعلیم ہے (اور نہ ہی) وہ بشر جس کو نبوت ملی ہے (یہ بات کہے گا کہ تم فرشتوں کو اور یا دوسرے (نبیوں کو رب قرار دے لو۔ کیا) بھلا (وہ تم کو کفر کا حکم کرے گا اس کے بعد کہ تم) خاص توحید کے بارے خود کو (مسلمان ہو) سمجھتے ہو۔

(4) رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لیے گئے عہد کو توڑتے ہیں۔

ان پر اسلام کو قبول کرنا واجب تھا کیونکہ اس مضمون کا عہد سب انبیاء علیہم السلام تک سے لیا گیا ہے تو ان کی امتوں پر تو بدرجہ اولیٰ واجب ہو گا اور عہد کو توڑنے پر وعید کے مستحق ہوں گے اور اس ذکر کے بعد اس عہد کو بالفعل توڑنے پر زجر و توبیخ بھی فرمائی۔

ترجمہ: اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے دیا تم کو کتاب اور علم (شریعت) پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول تصدیق کرنے والا اس کی جو تمہارے پاس ہے تو ضرور ایمان لاؤ گے اس پر اور ضرور مدد کرو گے اس کی۔ فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور لیا تم نے اس (مضمون) پر میرا عہد؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو (اب) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر جو کوئی پھر جائے اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں نافرمان۔ کیا اب اللہ کے دین کے علاوہ (کوئی اور دین) ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اسی کا فرمانبردار ہوا جو کوئی ہے آسمانوں اور زمین میں خوشی سے یا لاچاری سے اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

تفسیر: (اور) وہ وقت بھی قابل ذکر ہے (جب کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا) حضرات (انبیاء) علیہم السلام (سے کہ جو کچھ تم کو کتاب اور علم) شریعت (دوں) اور (پھر تمہارے پاس کوئی) اور (پیغمبر

www.askfatwa.com

آئے جو تصدیق کرے اس کی جو تمہارے پاس) کی کتاب میں (ہے) جس کی صورت یہ ہے کہ اس کتاب میں جو اس رسول کی نشانیاں ہیں وہ اس میں پائی جاتی ہوں (تو تم ضرور اس رسول) کی رسالت (پر) دل سے (اعتقاد بھی لانا اور) ہاتھ پاؤں سے (اس کی مدد بھی کرنا) اس پیغمبر اور رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ پھر یہ عہد بیان کر کے (ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس مضمون پر میرا عہد اور حکم قبول کیا وہ بولے کہ ہم نے اقرار کیا، ارشاد فرمایا تو) اپنے اس اقرار پر (گواہ بھی رہنا) کیونکہ گواہی سے پھر جانے کو ہر شخص ہر حال میں برا سمجھتا ہے، بخلاف اقرار کرنے والے کے کہ صاحب غرض ہونے کی وجہ سے اس کا پھر جانا زیادہ مستبعد نہیں ہوتا، اسی طرح تم صرف اقراری کی طرح نہیں بلکہ گواہ کی طرح اس پر قائم رہنا (اور میں) بھی (اس) مضمون (پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے) یعنی واقعہ

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ
عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ
وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

کی اطلاع اور علم رکھنے والا (ہوں، سو جو شخص) امتوں میں سے (روگردانی کرے گا) اس عہد سے (اس کے بعد) کہ انبیاء تک سے عہد لیا گیا اور امتیں تو کس شمار میں ہیں (تو ایسے ہی لوگ) پوری (نافرمانی کرنے والے) یعنی کافر (ہیں، کیا) دین اسلام سے جس کا عہد لیا گیا ہے روگردانی کر کے (پھر) اس (دین خداوندی کے سوا اور کسی طریقہ کو چاہتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ) کی یہ شان ہے کہ ان (کے) حکم کے (سامنے سب سر تسلیم کئے ہیں جتنے آسمانوں میں) ہیں (اور) جتنے (زمین میں ہیں خوشی اور اختیار سے یا مجبوری سے اور) اول تو اس عظمت ہی کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی ان کے عہد کی مخالفت نہ کرے خاص کر جب کہ آئندہ سزا کا بھی ڈر ہو چنانچہ (سب خدا ہی کی طرف) قیامت کے روز (لوٹائے) بھی (جائیں گے) اور اس وقت مخالفین کو سزا ہو گی۔

فائدہ: 1- انبیاء علیہم السلام سے تو اس عہد کے لئے جانے کی قرآن پاک میں تصریح ہے اور یہ (عہد) یا تو اول عالم ارواح میں لیا گیا ہو گا یا صرف دنیا میں وحی سے لیا گیا ہو گا۔ باقی ان کی امتوں سے یا تو اسی وقت لیا ہو گا یا انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ لیا ہو گا اور چونکہ اس عہد اور وجوب کا انبیاء اور ان کی امتوں دونوں پر ہونا ظاہر ہے اس لئے امتوں سے عہد کو ذکر نہ کرنا مضر نہیں۔

2- اللہ تعالیٰ کے احکام دوقسم کے ہیں۔ ایک تکوینی جن کو پورا کرنا بندے کے اختیار میں نہیں جیسے زندہ کرنا، مارنا اور بیمار کرنا وغیرہ۔ دوسرے تشریعی جن کو بجالانا بندے کے اختیار میں ہے مثلاً نماز پڑھنے کا حکم۔ اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینیہ کے تو سب تابع میں خواہ دل سے ان پر راضی ہوں جیسے اللہ کے فرشتے

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٨٥﴾

اور نیک بندے ہوتے ہیں یا محض مجبور و لاچار ہوں جیسے عالم کا ذرہ ذرہ۔ اور نیک بندے اپنی خوشی سے احکام تشریعی کے بھی تابع فرمان ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام تو سب ہی پر نافذ ہیں اور تشریعی احکام کو بھی بہت سے بندوں نے قبول کر رکھا ہے جس سے حاکم کی عظمت واضح ہے تو اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ میں فرمایا کہ کیا کوئی اور اس عظمت کا ہے جس کی موافقت کے لئے یہ اللہ کی مخالفت کرتا ہے۔

ربط: اوپر یہ بتا کر کہ اہل کتاب اللہ سے کئے گئے عہد کو توڑتے ہیں آگے رسول اللہ ﷺ کی زبانی مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ تم ان کی روش کی تابعداری کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مکمل تابعداری کرو اور اس کا

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٦﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٨﴾

اعلان بھی کرو۔

ترجمہ: تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ہم پر اور اس پر جو اتارا گیا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور (اس کی) اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور سب نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے۔ نہیں ہم تفریق کرتے کسی ایک میں بھی

ان میں سے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ) مسلمانوں سمیت یہ (فرما دیجئے کہ جیسے ہم اللہ کے تکوینی احکام کے پابند ہیں اسی طرح ہم نے اپنے اختیار سے اس کے تشریعی احکام کو بھی قبول کیا ہے۔ لہٰذا ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس) حکم (پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس) حکم (پر جو) حضرات (ابراہیم و اسماعیل و یعقوب) علیہم السلام (اور اولاد یعقوب) میں جو نبی گذرے ہیں ان (کی طرف بھیجا گیا اور اس) حکم و معجزہ (پر بھی جو) حضرت (موسیٰ و عیسیٰ) علیہما السلام (اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے) سو ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان بھی (اس کیفیت سے کہ ہم ان) حضرات (میں سے کسی ایک میں بھی) ایمان لانے کے معاملے میں (تفریق نہیں کرتے) کہ کسی پر ایمان رکھیں اور کسی پر نہ رکھیں (اور ہم تو) اللہ کے تشریعی احکام میں بھی (اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں)۔

ربط: جب معلوم ہوا کہ اصل چیز اسلام یعنی اللہ تعالیٰ کی مکمل تابعداری ہے تو آگے دو گروہوں کے انجام کو ذکر کرتے ہیں جو اسلام سے پہلے ہی روگردانی کرتے ہیں یا جو اسلام قبول کرنے کے بعد پھر اس سے روگردانی کرتے ہیں۔

1- جو پہلے سے اسلام سے روگردانی کرتے ہیں۔

ترجمہ: اور جو کوئی طلب کرے سوا (دین) اسلام کے اور کوئی دین سو ہرگز نہ قبول کیا جائے گا اس سے اور وہ ہوگا آخرت میں گھاٹے والوں میں سے۔

تفسیر: (اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو) چونکہ (وہ) دین اللہ کا حکم نہیں اس لیے اس میں اللہ کی فرمانبرداری بھی نہیں ہے اس وجہ سے وہ دین (اس) شخص (سے) خدا تعالیٰ کے نزدیک (مقبول) و منظور (نہ ہوگا اور) وہ شخص (آخرت میں گھاٹے والوں میں سے ہوگا) یعنی نجات نہ پائے گا۔

2- جو اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے روگردانی کرتے ہیں۔

ترجمہ: کیسے ہدایت دے گا اللہ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے اپنے ایمان لانے کے بعد اور گواہی دینے کے بعد کہ بے شک رسول سچا ہے اور (اس کے بعد کہ) آئے ان کے پاس واضح دلائل۔ اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو۔ ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور اصلاح کر لی تو بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

www.askfatwa.com

تفسیر: اول ان مرتدین کا بیان ہے جو کفر پر قائم رہ کر اس کو ہدایت سمجھتے رہے، چونکہ ان کا اعتقاد یا دعویٰ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اب ہدایت فرمائی، لہذا ان کی مذمت میں اس کی نفی بھی فرماتے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ
تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَ

ہیں کہ بھلا (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے جو کافر ہو گئے) دل سے (ایمان لانے کے بعد اور) زبان سے (اپنے اس اقرار کے بعد کہ رسول) ﷺ دعویٰ رسالت میں (سچے ہیں اور اس کے بعد کہ ان کو) حقانیت اسلام کے (واضح دلائل پہنچ چکے تھے، اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتے) یہ مطلب نہیں کہ ایسوں کو کبھی اسلام کی توفیق نہیں دیتے، بلکہ مقصود ان کے مذکورہ بالا دعویٰ کی نفی کرنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم نے جو اسلام چھوڑ کر یہ طریق اختیار کیا ہے تو اب ہم کو خدا نے ہدایت دی ہے، نفی کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو شخص کفر کا بے ڈھنگا راستہ اختیار کرے وہ ہدایت خداوندی پر نہیں، اس لئے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو خدا نے ہدایت دی ہے، کیونکہ ہدایت کا یہ راستہ نہیں ہے بلکہ ایسے لوگ یقیناً گمراہ ہیں اور (ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی بھی اور) بہت سے (آدمیوں کی بھی) غرض (سب کی) اور پھر وہ لعنت بھی ایسے طور پر رہے گی کہ (وہ ہمیشہ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَ
هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ
افْتَدٰى بِهٖ ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

ہمیشہ) کے لئے (اسی) لعنت (میں رہیں گے) اور چونکہ اس لعنت کا اثر جہنم ہے تو حاصل یہ ہوا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور (ان پر سے عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پائے گا اور نہ) داخل ہونے سے قبل (ان کو) کسی میعاد تک (مہلت ہی دی جائے گی)۔

آگے ان کا بیان ہے جو پھر مسلمان ہو گئے ان کو اس حکم سے مستثنیٰ فرماتے ہیں یعنی (ہاں مگر جو لوگ توبہ کر لیں اس) کفر (کے بعد) یعنی مسلمان ہو جائیں (اور اپنے) دل (کو) بھی (سنواریں) یعنی منافقانہ طور پر صرف زبان سے توبہ کافی نہیں (سو بے شک) ایسوں کے لئے (خدا تعالیٰ بخش دینے والے رحمت کرنے والے ہیں)۔